حاصل مطالعہ

مطالعہ تقلید

(صحیح احادیث کی روشنی میں)

محمد جاوید یوسف دیوان

مطالعہ تقلید

(صحیح احادیث کی روشنی میں)

محمد جاوید یوسف دیوان

مضامین

علوم کی تدوین 5
زمانے کے تقاضے 5
تدوین صرف و نحو 5
تدوین حدیث 6
تدوین فقہ 6
ایک تاریخی حقیقت 6
علم کے درجے 7
شرعی احکام کی قسمیں 8
اجماع 9
قیاس 10
قیاس کی مثالیں 11
شرعی احکام کی قسمیں اور اجتہاد کے مواقع 12
مسائل کا حل کیسے ؟ 16
رسول اللہ ﷺ کے افعال کی درجہ بندی 16
اجتہاد کی مثالیں 17
حدیث کی اصل غایت فہم ہے 17
مراد حدیث چند مثالیں 19
تحقیق حدیث 20
حدیث کے بارے میں فقہا اور محدثین میں فرق 21
صحابہ کرام اجتہاد کیا کرتے تھے 21
صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے سامنے فتوی دیتے تھے جو نافذ ہوتے تھے 23
تقلید شخصی 24
غیر اہل علم صحابہ کا اہل علم صحابہ سے فتوی دریافت کرتے تھے 24
اہل علم اور غیر اہل علم میں فرق 24
فتوے کی دلیل بتانا ضروری نہیں ہے 25
واجب بالذات اور واجب بالغیر 26
تقلید 26
ایک حدیث سے مختلف معنی مراد ہو سکتے ہیں 27
ایک ہی صورتحال میں فتوے مختلف ہو سکتے ہیں 28
صرف الفاظ ہی مراد نہیں ہوتے 28
مجتہد 30
اجتہاد کے لیے صرف قرآن وحدیث کا علم کافی نہیں 31
فتوی وقت کے تقاضے کو دیکھ کر دیا جاتا ہے 31
فتوی مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے 32

تلقی بالقبول 32
تقلید کی مثالیں 33
حسن ظن 33
اتباع کی قسمیں 34
اللہ کا اتباع 34
رسول کا اتباع 34
جماعت کا اتباع 34
مجتہد کا اتباع 34
سنت رسول ﷺ، سنت صحابہؓ 34
حدیث اور سنت میں فرق 35
حدیث اور سنت کے اصطلاحی معنی 36
حدیث کے اصطلاحی معنی 36
امت سنت پر عمل کرے گی 37
حدیث کی مختلف اقسام کی مثالیں 38
قولی حدیث کی مثال 38
فعلی حدیث کی مثال 38
تقریر نبوی کی مثال 38
اوصاف نبوی کی مثال 39
سنت کے معنی 39
سنت کے معنی قرآن کریم میں 39
سنت کے معنی حدیث میں 39
سنت کے معنی فقہ میں 39
وہ روایات جو صرف حدیث ہیں سنت نہیں 39
پہلی قسم 40
دوسری قسم 40
تیسری قسم 41
کچھ چیزیں سنت ہیں مگر حدیث نہیں 42
وہ روایتیں جو حدیثیں بھی ہیں اور سنت بھی 42

تمہید

اجتہاد و تقلید، اس موضوع کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ سب سے پہلی بات جو اس سلسلے میں جاننی ضروری ہے کہ دینی علوم جس انداز سے آج مدون اور مرتب ہیں اس طرح رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھے۔

علوم کی تدوین

بہت سے علوم صحابہ کرامؓ میں رائج تھے لیکن ان کی زندگیاں جہاد میں گزریں، اس لیے تدوین (کتابی شکل) کے کام کی ان کو فرصت نہیں ملی۔ گو کہ ان کی اصل رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی لیکن تدوین بعد میں ہوئی۔ مثلاً: چاروں خلفائے راشدین اعلی درجے کے محدث تھے۔ لیکن خود ان سے کوئی حدیث کا مجموعہ ہمارے پاس نہیں۔ حدیث کی تدوین کا کام بعد میں ہوا۔ یا جیسے حضرت کعبؓ بہت بڑے قاری تھے۔ لیکن ان کی طرف سے اس علم پر کوئی تصنیف نہیں۔ البتہ بعد کے لوگوں نے اس کو مدون کر دیا۔ اور اپنے بعد آنے والوں کے لیے کام آسان فرما دیا۔

زمانے کے تقاضے

دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ وقت اور حالات کے تقاضوں نے بہت سے مسائل پیدا کیے اور بہت سے وہ کام کیے گئے جو رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھے۔ مثلاً قرآن پاک کو ایک مصحف (کتابی شکل) میں جمع کرنا رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں ہوا تھا لیکن حالات کے تقاضوں نے اس کی ضرورت پیدا کر دی۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ کے دور میں قرآن پاک کو ایک مصحف میں جمع کر دیا گیا (حاشیہ: 1)۔ اسی طرح آگے کے زمانے میں جب عرب و عجم کا ملاپ ہوا اور خالص عربیت کا ذوق کم ہو گیا اور ضرورت محسوس ہوئی تو قرآن پاک پر اعراب لگائے گئے، آیتوں کی علامتیں ڈالی گئیں، وقوف کی علامتیں لگائیں گئیں۔ یہ سب نبی کریم ﷺ کی حیات پاک میں نہیں تھا۔ ان تمام باتوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دین پر سہولت سے عمل ہو جائے۔ اسی کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے امت نے دین کی تقویت یا اعانت کے تمام جائز طریقوں کو اختیار کیا۔ مساجد میں تنخواہ دار امام اور موذن کا تعین، قرآن پڑھانے کے لیے اجرت کی ادائیگی، مساجد میں وضو اور حاجات کی سہولت، جانمازوں اور قالین کا اہتمام، کتابوں کی تالیف و اشاعت، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، اصلاح باطن کے اعمال وغیرہ سب اس کی مثالیں ہیں۔

تدوین صرف و نحو

قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے بھی مختلف علوم وجود میں آئے جن کا وجود رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھا۔ مثلاً دین کا کوئی طالب علم، علم نحو (عربی گرامر) پڑھے بغیر آگے نہیں چل سکتا لیکن رسول اللہ ﷺ کے دور میں علم نحو بحیثیت علم موجود نہیں تھا۔ دیگر اسلامی علوم کی طرح اس کو بھی بعد میں مدون کیا گیا اور اس کی اصطلاحات متعین کی گئیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بعد کے آنے والے ان علوم (لغت، صرف و نحو، منطق، بیان، تفسیر، حدیث وغیرہ) میں ان پچھلوں کی اتباع یا تقلید کرتے ہیں۔ اور اس تقلید کے بغیر خود قرآن و حدیث کا سمجھنا محال ہے (حاشیہ: 2)۔

1: صحیح البخاری، کتاب تفسیر القران

2: گو کہ یہ معروف فقہی تقلید تو نہیں لیکن عملاً تقلید ہی ہے

تدوین حدیث

اسی طرح وقت اور حالات کے تقاضوں نے حدیث کی تدوین کی ضرورت پیدا کی چنانچہ علمائے دین نے اس کی طرف توجہ کی اور علم الحدیث کی بنیاد ڈالی جس میں حدیث اور سند حدیث پر بحث کی جاتی ہے اور ایسے اصول متعین کیے جن سے حدیث کی صحت اور عدم صحت کا پتہ چلایا جا سکے۔ اور جیسا کہ ہر علم میں ہوتا ہے کہ سمجھنے سمجھانے اور تبادلہ خیال میں سہولت کے لیے اس علم کی اصطلاحیں (مثلاً: صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ) بھی وجود میں آئیں۔ علم الحدیث کے اصول اور اس کی اصطلاحیں سب اجتہادی ہیں۔ یہ کام رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھا۔

امام مسلمؒ صحیح مسلم کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> "(پہلے) لوگ (حدیث کی) سند کے متعلق پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ عام ہو گیا تو پھر راوی سے سند کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہوئی۔"

یہاں تک کہ اہل علم نے سند کی تحقیق واجب (ضروری) قرار دے دی۔

تدوین فقہ

اسی طرح شریعت کی روشنی میں مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لیے فقہا نے فقہ کی تدوین کی اور اس میں تحقیق کے طریقے اور اصول بنائے۔ اس کی اصطلاحیں (فرض، واجب سنت وغیرہ) وجود میں آئیں اور تدوین فقہ کا کام سرانجام ہوا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین کے تمام علوم اجتہادی ہیں ان معنوں میں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں موجود تو تھے لیکن اس طرح مدون (یعنی مرتب) نہ تھے جیسے بعد میں ہو گئے۔ اس تدوین و ترتیب سے ان علوم سے فائدہ اٹھانے میں سہولت ہو گئی۔ البتہ یہ فائدہ اٹھانا ہر شخص کا الگ الگ ہے، عالم اپنے علم کے مطابق ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور غیر عالم اپنی حیثیت کے مطابق۔ علوم چاہے دینی ہوں یا دنیاوی، ہر علم کا یہی حال ہے۔ کچھ لوگ علوم ایجاد کرتے ہیں، کچھ ان ایجاد کردہ علوم کو ترقی دیتے ہیں اور باقی لوگ ان کی کوششوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ درحقیقت ہر عالم اپنی تحقیق کا مدار پچھلوں کی ثابت شدہ تحقیق پر رکھتا ہے۔

ایک تاریخی حقیقت

ایک تاریخی حقیقت جو انتہائی اہم اور ذہن نشین کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ فقہ کی تدوین پہلے ہوئی اور حدیث کی تدوین بعد میں۔ فقہا نے فقہ کی تدوین اور اس میں تحقیق کے طریقے پہلے بنا لیے جب کہ محدثین نے یہ کام بعد میں کیا۔ بلکہ حدیث کے مجموعے فقہا کی دی گئی ترتیب کے مطابق تیار کیے گئے ہیں۔ تدوین فقہ کا دور رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے قریب کا تھا۔ یہ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ تھا۔ اس دور کے علما کے لیے سنت رسول ﷺ کو جاننے کے لیے صحابہ کرامؓ کا عملی نمونہ موجود تھا۔ اسی لیے اس وقت کے علمائے کرام کے نزدیک تعامل (عمل) صحابہؓ کی بہت اہمیت تھی (حاشیہ 3)۔ اور خیر القرون میں تعامل صحابہؓ (یعنی صحابہ کرامؓ کا عمل) ہی معیار سنت تھا۔ انہوں نے اختلاف احادیث کے وقت رد و قبول میں بھی اور حدیث کے مفہوم کی تعیین میں بھی اصل معیار تعامل صحابہؓ و تابعینؒ کو ٹھہرایا۔ تعامل صحابہ کو معیار بنانا عین فطری بات ہے اس لیے کہ وہ مقدس ہستیاں حیات رسول ﷺ

---

3 : ہر بچہ اپنی نماز اپنے والدین کو دیکھ کر پڑھتا اور سیکھتا ہے، بخاری مسلم، ترمذی ابن ماجہ پڑھ کر نہیں پڑھتا—اسی طرح ہر بیٹا روزہ اپنے والدین کو دیکھ کر رکھتا اور کھولتا ہے، صحاحِ ستہ دیکھ کر نہیں، یہ ایک فطری عمل ہے اسی فطری ذریعے سے قرآن ہم تک پہنچا ہے اور اسی سے عبادات وہ عمل جو ہر دن میں کئی بار اور نسل در نسل ہوتے چلے آ رہے ہیں ان کا عملی تسلسل ہی ہے جس سے وہ ثابت ہوتے ہیں، کسی تحریری ثبوت کے وہ محتاج نہیں ہوتے۔

کی عینی شاہد تھیں اور کسی واقعے کے بارے عینی شاہد ہی سب سے زیادہ اہم مانا جاتا ہے۔ وہ فقہا جن کے سامنے یہ عملی نمونے موجود نہیں تھے انہوں نے اختلاف حدیث کے وقت نقد روایات (روایات کا صحیح یا غیر صحیح ہونا) کا معیار راویوں پر رکھا۔ پہلے دور میں پرکھنے کا معیار پوری جماعت (صحابہؓ اور تابعینؒ) کے تعامل پر تھا بعد میں یہ اشخاص پر آ گیا۔ اہلسنت والجماعت کی یہی فضیلت ہے کہ ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا عمل اور ان کے صحابہ کرامؓ کا عمل بھی قابل حجت ہے۔ اسی سے عنوان، اہلسنت والجماعت نکلا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک حدیث کی تعریف یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین کے قول فعل و تقریر کو حدیث کہتے ہیں، کبھی اس کو اثر اور خبر بھی کہتے ہیں۔

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب الرقاق)

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد ان لوگوں کا جو اس کے بعد ہوں گے پھر جو ان کے بعد ہوں گے۔"

اسی لیے حدیث کی کتابوں میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال اور اعمال کا ذکر بھی موجود ہے۔

فعل صحابی کی مثال

وکان ابن عمر اذا حج او اعتمر قبض علی لحیتہ فما فضل اخذہ۔ الحدیث (صحیح البخاری، کتاب اللباس)

عبداللہ بن عمرؓ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی (ہاتھ سے) پکڑ لیتے اور (مٹھی) سے جو بال زیادہ ہوتے انہیں کتروا دیتے۔

صحابی کا قول

لا ناخذ بقولک وندع قول زید (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب الحج)

بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک مسئلہ پوچھا اور ان کا جواب سننے کے بعد بولے: "ہم ایسا نہیں کریں گے کہ آپ کی بات پر تو عمل کریں اور زید بن ثابتؓ کی بات چھوڑ دیں یعنی ان کے فتوے کو چھوڑ دیں۔"

قول تابعی

قال عطا آمین دعا۔ الحدیث (صحیح البخاری، باب جہر الامام بالتامین)

یعنی عطاؒ (تابعی) نے فرمایا: "آمین دعا ہے۔"

علم کے درجے

سورۃ توبہ کی آیت 122 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون ()

مسلمانوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی دو جماعتیں تھیں: ایک وہ جو علم کے شغل میں رہتی تھی، دوسری وہ جو جہاد کے عمل میں لگی رہتی تھی۔ اس دوسری جماعت کو حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم سے علم سیکھو، اسی کو اتباع یا تقلید کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

حدیث 1

فانما شفاالعی السوال (الحدیث) (سنن ابی داؤد)

نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے

اور یہ آیت تو ہر مسلمان کو یاد ہے جس میں وہ اپنے رب سے ان لوگوں کے اتباع کی دعا کرتا ہے جن پر اس کا انعام نازل ہوا۔ اس اتباع کو فقہ میں تقلید کہا جاتا ہے۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (الفاتحہ)

ہم کو سیدھے رستے چلا ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا

حدیث 2

عن ابی مسعود لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثلاثا (الحدیث) (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے قریب تم میں سے پختہ عقل والے اور دانش مند کھڑے ہوں، پھر وہ جو (اس میں) ان کے قریب ہوں (پھر وہ جو ان کے قریب ہوں، پھر وہ جو ان کے قریب ہوں) تین بار فرمایا"

فائدہ:

- یعنی علم کے اعتبار سے سب لوگ برابر نہیں ہوتے۔
- جب علم کے اعتبار سے سب برابر نہیں تو جو نہیں جانتا وہ جاننے والے سے معلوم کرنے کا ذمہ دار ٹھہرا۔ (دیکھیے حدیث 1)

شرعی احکام کی قسمیں

ایک اور اہم بات جو اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے وہ شرعی احکام کی قسمیں ہیں۔ شرعی احکام کی دو قسمیں ہیں:

i) ایک وہ جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں حکم موجود ہے (حاشیہ: 4)۔

ii) دوسری قسم وہ ہے جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں براہ راست حکم موجود نہیں ہے (حاشیہ: 5)۔

حدیث 3

عن معاذ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذا الی الیمن فقال کیف تقضي فقال اقضي بما في کتاب اللہ قال فان لم یکن في کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم یکن في سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتھد رایي قال الحمد للہ الذي وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(سنن الترمذی، کتاب الاحکام عن رسول اللہ، ابوداؤد کتاب الاحکام عن رسول اللہ)

4: اصطلاحا ان کو منصوص احکام کہا جاتا ہے۔

5: ان کو غیر منصوص احکام کہا جاتا ہے۔

روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے پوچھا: "جو مسئلے تمہارے سامنے آئیں گے ان کا فیصلہ کیسے کرو گے؟" انہوں نے کہا: "کتاب اللہ سے۔" فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے): "اگر کتاب اللہ میں نہ ملا؟" انہوں نے کہا: "تب سنت رسول ﷺ سے۔" فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے): "اگر سنت رسول ﷺ سے نہ ملا؟" انہوں نے کہا: "اپنی رائے سے۔" (یعنی اجتہاد سے)۔

اس حدیث میں مجتہد کے لیے دلائل کی ترتیب یہ آئی ہے: (1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ ﷺ (3) اجتہاد مجتہد۔

- سورۃ نساء آیت 59 میں ہے:

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (الآیۃ)

پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ (یعنی قرآن) اور رسول (یعنی سنت) کے حوالے کر دو۔

اہل سنت والجماعت کے یہاں بھی مسائل کے حل کے لیے دلائل کے یہی ذرائع ہیں۔ (1) کتاب اللہ (2) سنت رسول اللہ ﷺ (3) اجتہادِ مجتہد۔

اجتہاد: وہ طریقہ کار جس سے شریعت کا حکم معلوم ہو جائے اس کا نام اجتہاد ہے۔ یہ بات تو ہر شخص سمجھتا ہے کہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات و حالات بے حد و بے حساب ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ ہر واقعے کے بارے میں نص (قرآن و حدیث) موجود نہیں ہے اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ جب نصوص محدود اور واقعات و حالات لا محدود تو لازماً حکم شریعت معلوم کرنے کے لیے نصوص میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہو گی۔ اس غور و فکر کو اجتہاد کہتے ہیں۔ البتہ اجتہاد کے باب میں اہلسنت والجماعت ان تمام اجتہادات، جن پر دور صحابہ کرام اور بعد کے ادوار میں علمائے امت اتفاق یعنی اجماع کر چکے ہیں، اس کو بھی دلیل مانتے ہیں۔ جیسے ابو بکرؓ کی خلافت کا قیام۔ رمضان کے پورے مہینے میں بیس رکعتوں کے ساتھ تراویح کی ادئیگی، ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی ماننا، جن پر سیدنا عمرؓ کے دور میں اجماع ہو گیا۔ قیاس کو وہ اس اعتبار سے دلیل مانتے ہیں کہ وہ اجتہاد کا ایک طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم و ساءت مصیرا

(النساء:115)

اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے اس کو ہم اسی کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

ویتبع غیر سبیل المؤمنین

یعنی جب مسلمان کسی بات پر جمع ہو جائیں یعنی اجماع کر لیں تو اس سے الگ راہ جہنم کا راستہ ہے۔

اجماع

حقیقت اجماع یہ ہے کہ کسی زمانے کے تمام علما کسی دینی مسئلہ پر متفق ہوں گو بعض کا اس میں اختلاف بھی ہو۔ اہل علم کے اس طرح کے اتفاق کو شریعت کی اصطلاح میں اجماع کہا جاتا ہے۔ اجماع کی ایک مثال سیدنا ابو بکرؓ کی خلافت کا انعقاد ہے۔ اجماع کی ایک اور مثال تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین (ہاتھ اٹھانے) کا مسئلہ ہے جس پر تمام مجتہدین متفق ہیں اس لحاظ سے یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا۔ اجماع کی ایک اور مثال صحیح بخاری کو قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب مانا جانا ہے۔ حالانکہ اس پر قرآن و حدیث کی کوئی دلیل نہیں لیکن علمائے اسلام نے دلائل کی روشنی میں اس کو طے کر دیا ہے۔ اسی لیے اہل سنت و

الجماعت کے نزدیک اجماع شرعی مسائل کی ایک دلیل ہے۔ ایسا مسئلہ جس پر اجماع ہو چکا تو اب اس کو موضوع بحث نہیں لایا جائے گا۔ اب اگر کوئی ان اجماعی امور کے خلاف بات کرے گا تو اس کو خلاف شریعت کہا جائے گا۔

قیاس

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

فاعتبروا یااولی الابصار (الحشر:2)

عبرت حاصل کرو، اے بصیرت والو

اعتبار یا عبرت کہتے ہیں کسی گزرے ہوئے واقعہ سے سبق حاصل کرنا۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو قیاس کہتے ہیں۔ انگریزی زبان میں اس کو Analogy (مماثلث) کہا جاتا ہے۔ قیاس اجتہاد کا ایک طریقہ ہے جس میں معلوم مسئلے کے ذریعے نامعلوم مسئلے کا حل دریافت کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں نامعلوم مسئلے کی نظیر معلوم مسائل میں ڈھونڈی جاتی ہے۔

حدیث 3، ص 8 پر حضرت معاذؓ نے مسئلے کا حل معلوم کرنے کا آخری طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ اجتہد برائی یعنی: ''اپنی رائے سے اجتہاد''۔ مناسب ہوگا کہ رائے کی قسمیں بیان کردی جائیں۔ رائے کی تین قسمیں ہیں:

i) رائے کی پہلی قسم وہ ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

ii) ایسی رائے سے دین کے مسئلے گھڑنا جس کی بنیاد نہ کتاب ہو نہ سنت ہو۔ ایسی رائے کو بدعت کہتے ہیں۔

iii) رائے کی تیسری قسم وہ ہے جو قرآن وسنت کی تشریح کے لیے ہو۔ سیدنا معاذؓ نے فرمایا تھا: اجتہد برائی ''اپنی رائے سے۔'' اس سے یہی رائے مراد ہے۔

حدیث 4

عن ابی ھریرۃ ان رجلا اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ ولد لی غلام اسود فقال ھل لک من ابل قال نعم قال ماالوانھا قال حمر قال ھل فیھا من اورق قال نعم قال فانی ذلک قال لعلہ نزعہ عرق قال فلعل ابنک ھذا نزعہ۔

(صحیح البخاری، کتاب الطلاق)

حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بولا: ''میری بیوی نے کالا بچہ جنا ہے! (گویا اس نے اس کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کردیا)۔'' تب رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کا رنگ کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''سرخ۔'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: ''جی ہاں۔'' تب آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کیسے ہوگیا؟'' اس (دیہاتی) نے کہا: ''بنیاد کا اثر ہوگا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی کوئی بنیاد ہوگی جو ظاہر ہوگئی۔'' اس لیے آپ ﷺ نے اسے نفی کرنے (لعان) کی اجازت نہیں دی۔

حدیث 5

عن ابن عباس ان امراۃ جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فماتت قبل ان تحج افاحج عنھا قال نعم حجی عنھا ارایت لوکان علی امک دین اکنت قاضیتہ؟ قالت نعم فقال اقضوا اللہ الذی لہ فان اللہ احق بالوفاء۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی پاک ﷺ خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: "میری ماں نے حج کی نذر مانی لیکن حج سے قبل ہی وفات پا گئی تو میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں اس کی طرف سے حج کر۔" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر اس پر کسی کا قرضہ ہوتا تو کیا اسے ادا کرتی؟" اس عورت نے کہا: "ہاں۔" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تو اللہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کا قرضہ ادا کیا جائے، پس اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔"

- ان دو حدیثوں سے قیاس کا ثبوت ملتا ہے۔
- حدیث 4 میں رسول اللہ ﷺ نے انسان کے بچے کو اونٹ کے بچے پر قیاس فرمایا۔
- حدیث 5 میں آپ ﷺ نے ادائیگی حج کو ادائیگی قرض پر قیاس فرمایا۔
- اسی طرح جب کسی مسئلہ میں شریعت میں براہ راست حکم نہیں ہوتا تب قیاس کے ذریعے سے شریعت کا حکم معلوم کیا جاتا ہے۔

قیاس کی مثالیں

ا) سیدنا ابو بکر کی خلافت کا انعقاد حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے ہوا۔ اس بارے میں نہ کوئی آیت پیش کی گئی نہ ہی کسی حدیث کا حوالہ دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ قیاس فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کو نماز میں ہم سب کا امام بنایا تھا، اسی پر قیاس کر کے ہم احکام سلطنت میں بھی آپؓ کو اپنا امام بناتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ کے الفاظ تھے:

یامعشر الانصار الستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابا بکر ان یؤم الناس قالوا بلی قال فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابا بکر قالت الانصار نعوذ باللہ ان نتقدم ابا بکر۔ (مسند احمد، صحیح)

"اے انصاریو، کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"؟ ان (انصاریوں) نے جواب دیا: "کیوں نہیں۔" اس پر عمرؓ بولے: "پھر تم میں سے کس کا جی چاہے گا کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے۔" انصار بولے: "ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ابو بکرؓ پر سبقت لے جائیں۔"

اس اجتہاد کی تقلید سب سے پہلے خود عمرؓ نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے کی جس کے بعد دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تقلید کی۔

ب) صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک روایت میں آتا ہے کہ ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ روانہ فرمایا جس کا ایک امیر مقرر فرمایا اور باقی لوگوں کو امیر کی اطاعت کا حکم فرمایا۔ کسی سبب سے امیر لشکر کو غصہ آگیا اور انہوں ایک آگ روشن کروائی اور لشکریوں کو اس آگ میں داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ اولاً تو لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا لیکن بالآخر رک گئے اور بولے:

فررنا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من النار

ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف (جہنم کی) آگ سے بھاگ کر آئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم اتباع امیر کا تھا لیکن صحابہ کرامؓ اس آگ کو نار جہنم پر قیاس کر کے آگ میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کی تصدیق آپ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے جو اسی روایت میں ہے:

لو دخلوھا ما خرجوا منھا الی یوم القیامۃ

اگر یہ لوگ (اس آگ میں) داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس سے نہ نکلتے

ت) شراب پینے کی حد اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔ اس حد کی بنیاد کوئی قرآنی آیت ہے نہ کوئی حدیث بلکہ یہ حد بہتان پر قیاس کرتے ہوئے مقرر کی گئی ہے۔

ث) نفاس کے بارے میں شریعت میں کوئی براہ راست حکم موجود نہیں ہے۔ البتہ حیض والی عورتوں سے دور رہنے کی وجہ خود قرآن میں ناپاکی بتائی گئی ہے۔ یہ اس حکم کی علت ہو گئی چنانچہ اسی علت (ناپاکی) کو سامنے رکھتے ہوئے نفاس کو حیض پر قیاس کر لیا گیا ہے اور اس کے مسائل بھی طے کر لیے گئے۔

ج) شریعت میں بھینس کے دودھ یا گوشت کے استعمال کے بارے میں براہ راست کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اس کے مسائل طے کر لیے گئے ہیں۔

شرعی احکام کی قسمیں اور اجتہاد کے مواقع

شرعی احکام یعنی منصوص احکام وہ احکام ہیں جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں حکم موجود ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

ا) متعارض

ب) غیر متعارض

ا) **متعارض:** اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلے میں ایک سے زیادہ حکم موجود ہیں۔ ایسی صورت میں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ان حکموں کی تاریخی ترتیب کیا ہے۔ بعض اوقات احادیث ہی سے اس بات کا پتہ چل جاتا ہے مثلاً آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ پہلے میں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا، اب اجازت دیتا ہوں (صحیح مسلم)۔ چنانچہ وہ احادیث جن میں زیارت قبور کا منع فرمانا آیا ہے وہ اس حدیث سے منسوخ ہو گئیں (حاشیہ: 6)۔ اس مسئلے میں ہمیں معلوم ہے کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی۔ اس علم کی وجہ سے اس مسئلے میں ایک حکم متعین کرنا ممکن ہوتا ہے (حاشیہ: 7)۔ لیکن بعض اور احادیث کے سلسلے میں اس طرح کی وضاحت نہیں ملتی۔ اس میں یہ طے کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ کون سی حدیث پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی۔ اس موقع پر اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے (حاشیہ: 8)۔ اس کی مثال رکوع و سجود کے وقت رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ صحیح بخاری، سنن نسائی، مسند احمد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین فرماتے تھے۔ جب کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن سمرہؓ سے فرمایا:

''کیا ہے کہ میں تم کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھتا ہوں گویا کہ وہ مست گھوڑوں کے دم ہیں، نماز میں سکون پکڑو۔''

عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ انہوں نے کہا:

''کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ جیسی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں؟'' پھر آپؓ نے نماز پڑھی اور ایک مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا۔ (مسند احمد، صحیح، سنن ابوداؤد، صحیح، سنن النسائی، صحیح)

اب ہمیں یہ نہیں معلوم کہ کون سا حکم پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا۔ ایسے موقع پر اجتہاد (غور و فکر) اور دیگر نصوص پر توجہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور مجتہد کسی ایک عمل کو راجح (ترجیح دینا) قرار دے کر اس پر عمل کو اختیار کرتا ہے اور دوسرے کو مرجوح (ترجیح نہ دینا) قرار دے کر اس پر عمل

6: اصطلاحاً اس کو ناسخ حقیقی کہتے ہیں۔

7: اس کو اصطلاح میں معلوم التقدیم والتاخیر کہتے ہیں۔

8: اس اصطلاحاً کو غیر معلوم التقدیم والتاخیر کہتے ہیں۔

ترک کرتا ہے۔ ایسا ہونا شریعت کے خلاف بھی نہیں۔ یہ چیز صحابہ کرامؓ کے درمیان بھی موجود تھی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ احادیث جن کی تاریخی ترتیب ہمیں نہیں معلوم ہے، ایسی صورت میں تمام حدیثوں پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں۔ نماز میں رفع یدین کا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے۔ ظاہر ہے جو رفع یدین کا قائل ہو گا وہ رفع یدین نہ کرنے والی حدیثوں کو ترک کر رہا ہو گا۔ اسی طرح جو رفع یدین نہ کرنے کا قائل ہو گا وہ رفع یدین کرنے والی حدیثوں پر عمل نہیں کر سکے گا۔

حدیث 6

حضرت ہذیل بن شرحبیل کی روایت ہے کہ حضرت ابو موسی اشعریؓ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ پھر وہی مسئلہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے بھی پوچھا گیا اور حضرت ابو موسی اشعریؓ کے فتوی کے بارے میں ان کو بتادیا گیا تو عبد اللہ ابن مسعودؓ نے کچھ اور فتوی دیا۔ ان کے فتوے کی خبر حضرت موسی اشعریؓ کو دی گئی تو انہوں نے فرمایا:

لا تسئلوني عن شيء ما كان هذا الحبر بين اظهركم (صحیح البخاری، کتاب الرضاعۃ)

جب تک اتنے بڑے عالم تم لوگوں میں موجود ہیں تو تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔

فائدہ: اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوئے:

- حضرت ابو موسی اشعریؓ کا حضرت عبد اللہ ابن مسعود پر حسن ظن تھا جس کی بنیاد پر انہوں نے لوگوں کو مسائل کے لیے ان کی طرف رجوع کرنے کا ارشاد فرمایا۔
- صحابہ کرامؓ فتوی دیا کرتے تھے۔
- ایک ہی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے فتوؤں میں فرق ہو جاتا تھا۔
- حضرت موسی اشعریؓ نے فتوی لینے کے لیے حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کو متعین کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ایک متعین عالم سے فتوی لینے کو شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ بعد میں اس کو اصطلاحاً تقلید شخصی کہا جانے لگا۔

ب) **غیر متعارض:** جن مسائل میں نصوص آپس میں متعارض نہیں ہوتیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

محکم: اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے اس کا کوئی دوسرا مطلب ممکن نہیں۔ ان مسائل میں جو منصوص ہیں (یعنی قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے) اور جو کسی دوسری نص (آیت یا حدیث) سے متعارض نہیں ہیں اور نہ ہی ان کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایسے مسائل دائرہ اجتہاد سے خارج ہیں بلکہ ایسا کرنا جائز ہی نہیں۔ اس کی مثال تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین (نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کا اٹھانا) ہے جس پر تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔ یا بکری کے حلال ہونے اور خنزیر کے حرام ہونے میں بھی کوئی اختلاف نہیں (حاشیہ: 9)۔

محتمل: یہ احتمال سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے ایک سے زیادہ معانی ممکن ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ مسائل جن میں نص تو موجود ہے لیکن اس میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال (امکان) ہے (حاشیہ: 10)۔ اس طرح کا ایک مسئلہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے۔ اس سلسلے میں ایک حدیث جو صحیح بخاری میں ہے:

9: ایسے مسائل کو متفق علیہ مسائل کہا جاتا ہے۔

10: اصطلاح میں اس کو منصوص غیر متعارض محتمل وجوہ مختلفہ کہا جاتا ہے۔

لا صلاۃ لمن لم یقرا فیھا بفاتحۃ الکتاب۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ)

اس کی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

جب کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے:

واذا قرا فانصتوا۔

جب وہ (امام) قرات کرے تو تم خاموش رہو۔

اور مسند امام احمد میں صحیح حدیث ہے:

عن ابي ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبر واواذا قرا فانصتوا۔

ابوہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”امام تو اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو۔“

عن ابي نعیم وھب بن کیسان انہ سمع جابر بن عبد اللہ یقول من صلی رکعۃ لم یقرا فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔ (سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، حسن صحیح)

ابو نعیم وہب بن کیسان بتاتے ہیں کہ انہوں نے جابر بن عبد اللہؓ کو فرماتے سنا کہ جو کوئی ایک رکعت بھی ایسی پڑھے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوئی بجز اس صورت کے کہ اس نے امام کے پیچھے (نماز) پڑھی ہو۔

- اور قرآن پاک کی آیت ہے:

واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف: 204)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

آیت اور حدیثوں سے معلوم ہوا کہ امام کی قرات کے وقت مقتدی کو خاموش رہنا ہے۔ یعنی امام کی قرات مقتدی کے لیے کافی ہے۔

یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں لیکن ان سے فاتحہ خلف الامام پر ایک رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہونے کی ایک اور مثال بنی قریظہ والی حدیث ہے۔

عن عبد اللہ قال نادی فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم انصرف عن الاحزاب ان لا یصلین احد الظھر الا في بنی قریظۃ فتخوف ناس فوت الوقت فصلوا دون بنی قریظۃ وقال آخرون لا نصلي الا حیث امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان فاتنا الوقت قال فما عنف واحدا من الفریقین۔ (صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر)

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن صحابہؓ سے فرمایا کہ عصر کی نما بنی قریظہ (کی بستی) میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے۔ لیکن صحابہ (کو تاخیر ہوگئی اور) عصر کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو گیا اس پر بعض صحابہؓ نے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی نماز پڑھ ڈالی اور بعض دوسروں نے کہا کہ نے کہا ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں چاہے وقت ختم ہو جائے، (پھر یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی تو) آپ ﷺ نے کسی پر بھی ملامت نہیں کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض حدیثوں کا مفہوم ایک سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ایسی کسی حدیث کا معنی متعین کرنے کے لیے اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے اور مجتہد اپنے علم کی بنیاد پر کسی ایک معنی کو ترجیح دیتا ہے۔

غیر منصوص مسائل: یعنی وہ مسائل جس کوئی نص (یعنی قرآن و حدیث) میں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی ایسے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پڑتی ہے۔اب اگر دین کامل ہے تو یقیناان مسائل کا حکم بھی ہو گا۔ایسی صورت میں مجتہد منصوص مسائل (جن کا حکم قرآن و حدیث میں موجود ہے) میں کوئی علت ڈھونڈتا ہے۔وہی علت (نکتہ اشتراک) جن غیر منصوص مسائل میں پائی جاتی ہے تو وہی حکم ان میں جاری کرتا ہے اور مقلد مجتہد کی رہنمائی میں اسی حکم پر عمل کرتا ہے۔اس کی مثال یہ ہے کہ دودھ میں چیونٹی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہو گا یا نہیں شریعت میں اس کا کوئی حکم نہیں۔البتہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے کہ پینے کی چیز میں اگر مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے کر نکال کر پھینک دو اور وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی۔اس حدیث سے مجتہدین نے یہ علت تلاش کی کہ مکھی میں دوڑتا ہوا خون نہیں ہوتا اس لیے جس جانور میں یہ علت پائی جائے گی وہاں یہی حکم پایا جائے گا۔یا گائے کے دودھ اور گوشت کے متعلق تو روایات موجود ہیں لیکن بھینس کا دودھ اور گوشت استعمال کرنے کے متعلق کوئی ہدایت موجود نہیں ہے یا حالت جنابت میں غسل کے لیے اگر پانی نہ ملے تو تیمم کا حکم حدیث میں موجود ہے لیکن حائضہ کو اگر پانی نہ ملے تو کیا وہ تیمم کر سکتی ہے اس پر قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہیں۔ایسے تمام مسائل کا فیصلہ اجتہاد کے ذریعے کیا جائے گا جس کے لیے قیاس کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔یہ اجتہاد اہل علم پر لازم ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا جاءھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

(النساء:83)

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو پیغمبر یا اولی الامر (حکام یا علما) کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔

یعنی اولی الامر کی ذمہ داری ہے کہ جدید مسائل میں عام مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔اس کو **استنباط** کہا گیا ہے۔اسی استنباط کو فقہ میں اجتہاد کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔وہ مسلمان جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے ذمہ اپنے مسائل کو اولی الامر سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا ہے۔اسی کو تقلید کہا جاتا ہے۔

عن علی قال قلت یارسول اللہ ان نزل بنا امر لیس فیہ بیان امر ولا نھی فما تامرنا قال تشاورون الفقھاء والعابدین ولا تمضوا فیہ رای خاصۃ۔ (مجمع الزوائد، للھیثمی، رجالہ موثقون من اھل الصحیح)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ اگر کوئی مسئلہ ہمیں جس کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں نہ حکم نہ منع تب ہم کیا کریں گے؟'' (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: ''فقہا اور عابد لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرنا اور اس (طرح کے معاملے) میں ایک رائے پر مت چل پڑنا۔''

فائدہ:

- وہ مسلمان جو اہل اجتہاد (استنباط) میں سے نہیں ہیں ان کے لیے اجتہادی احکام جاننے کا راستہ یہی ہے کہ وہ کسی اہل علم کا اتباع یا تقلید کریں۔

استنباط کی ایک مثال

سنن ترمذی کی ایک روایت ہے جس میں ایک بدو نے آپ ﷺ کے پاس دوزانو بیٹھ کر کچھ سوالات کیے تھے جن کے جوابات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے تھے۔اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

سمعت محمد بن اسمعيل يقول قال بعض اهل العلم فقه هذا الحديث ان القراءة على العالم والعرض عليه جائز مثل السماع واحتج بان الاعرابي عرض على النبي صلى الله عليه وسلم فاقر به النبي صلى الله عليه وسلم

(سنن الترمذی، کتاب الزکاۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحیح)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسمعیل (یعنی اپنے استاد امام بخاریؒ) سے سنا کہ بعض اہل علم نے کہا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلا کہ طالب علم کا (عبارت) پڑھنا اور استاد کا اس کو سننا جائز ہے جیسا کہ استاد کا عبارت پڑھنا بھی جائز ہے۔یہ مثال ہے حدیث سے مسئلہ اخذ کرنے کی۔گو کہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم میں اس کی کوئی گنجائش نہیں نظر آتی لیکن فقہا نے اس سے یہ حکم اخذ کیا (یعنی استنباط کیا) کہ شاگرد بھی عبارت پڑھ سکتا ہے۔

مسائل کا حل کیسے؟

آپ ﷺ کی حیات میں مسائل کا حل دریافت کرنے کے تین طریقے تھے:

1) جو لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے وہ براہ راست آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کر لیتے۔

2) جو دور ہوتے تو اگر وہ مجتہد ہوتے تو خود ہی اجتہاد کر لیتے۔(دیکھیے حدیث 16، ص21)

3) جو خود مجتہد نہ ہوتے تو کسی مجتہد سے دریافت کر لیتے۔جیسے یمن میں حضرت معاذؓ مجتہد تھے اور وہاں کے باشندے ان سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔اس کو اصطلاح میں اتباع مجتہد یا تقلید مجتہد کہتے ہیں۔(دیکھیے حدیث 19، ص23، حدیث 21، ص24)

آپ ﷺ کے وصال کے بعد اب دو ہی طریقے رہ گئے، مجتہد اجتہاد کرے اور عام لوگ تقلید۔

اس تمام تفصیل کی بنیاد پر شرعی احکام کی تقسیم کچھ یوں ہو گی:

ا) منصوص غیر متعارض معلوم التقدیم والتاخیر: ان مسائل میں اجتہاد نہیں ہوتا۔

ب) منصوص متعارض غیر معلوم التقدیم والتاخیر: اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔

ت) منصوص غیر متعارض محتمل وجوہ مختلفہ: اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔

ث) غیر منصوص: اس طرح کے مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجتہاد صرف ان مسائل ہی میں نہیں ہوتا جن کے بارے میں شریعت میں براہ راست کوئی حکم نہیں ہے جیسا کہ عام خیال ہے بلکہ اجتہاد ان مسائل میں بھی ہوتا ہے جن میں کسی شرعی حکم کی ایک جہت متعین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح جن نصوص کی مراد (مفہوم) میں اختلاف ہے ان میں بھی اجتہاد کے ذریعے ایک مراد متعین کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے افعال کی درجہ بندی

اجتہاد کا ایک موقع آپ ﷺ کے افعال کی درجہ بندی ہے۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ آپ ﷺ نے جو کام اپنی حیات پاک میں کیے ان کا درجہ کبھی فرض ہوتا ہے کبھی واجب یا سنت مؤکدہ یا مستحب یا مخصوص اور بعض موقعوں پر وہ منسوخ بھی ہوتا ہے۔اسی طرح وہ کام جن سے آپ ﷺ نے منع

فرمایاان میں یہ احتمال ہے کہ وہ حرام تھا یامکروہ وغیرہ۔ چنانچہ مجتہد اپنی اجتہادی صلاحیت سے طے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کا فعل مبارک ہمارے لیے کس درجے کا ہے۔اس اجتہاد کی ضرورت اس لیے پڑتی ہے کہ کسی حدیث سے ہمیں یہ ہدایت نہیں ملتی کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل شرعاً کس درجے کا تھا۔فقہانے حدود شرعیہ (یعنی فرض،واجب سنت، مستحب وغیرہ) کا تعین کیاہے جوان کا بڑاکارنامہ ہےاور تمام امت اس میں ان کی مقلد ہے۔البتہ اس درجہ بندی میں مجتہدین میں اختلاف پایاجاتاہے۔اس طرح کااختلاف خود صحابہ کرامؓ میں بھی پایاجاتاتھا۔

حدیث 7

عن ابن عباس قال لیس التحصیب بشیءانماھو منزل نزلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔(صحیح مسلم،کتاب الحج)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حاجی کا محصور (یعنی وادی ابطح) میں اترنا کچھ بھی نہیں وہ صرف ایک پڑاؤ کی جگہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ٹھہر گئے تھے۔

فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

- رسول اللہ ﷺ کا فعل سنت ہونے کی دلیل ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ اپنی اجتہادی قوت سے فیصلہ فرماتے ہیں کہ یہ فعل سنت نہیں بلکہ آپ ﷺ اس جگہ اتفاق سے ٹھہر گئے تھے۔چنانچہ وہ اس کو مستحب سمجھتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ ،ابو بکرؓ اور عمرؓ ابطح پر ٹھہرا کرتے تھے۔(مسلم،کتاب الحج)۔اسی لیے وہ اس مقام پر ٹھہرنے کو سنت قرار دیتے ہیں۔

- صحابہ کرامؓ قوت اجتہاد سے رسول اللہ ﷺ کے فعل کا درجہ متعین کرتے تھے۔
- مجتہد بھی اپنی قوت اجتہاد سے فعل کی حیثیت کو متعین کر سکتاہے۔چنانچہ نماز کے جتنے اعمال ہیں ان کی درجہ بندی یعنی ارکان، شرائط،واجبات وغیرہ کی تفصیل خالصتااجتہادی ہے جو مجتہدین نے بیان کی ہے اور امت آج بھی اس درجہ بندی کااتباع یا تقلید کرتی ہے۔

اجتہاد کی مثالیں

- احادیث کی درجہ بندی(صحیح، حسن وغیرہ) بھی اجتہادی امر ہے۔اور اس درجہ بندی کے جو اصول ہیں وہ بھی اجتہادی ہیں جنہیں محدثین نے وضع کیا ہے، جن پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں۔
- بخاری کو حدیث کی صحیح ترین کتاب ماننا ایک اجتہادی امر ہے جس پر علما کااجماع ہے۔اس پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

حدیث کی اصل غایت فہم ہے

حدیث 8

عن ابن مسعود سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول نضر اللہ امرءا سمع مناشیئافبلغہ کماسمعہ فرب مبلغ اوعی من سامع (سنن الترمذی، کتاب العلم،حسن)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تروتازہ کرے اللہ اس بندے کو جو میری بات سنے اور اس کو اس طرح (آگے) پہنچائے جیسا کہ اس نے اس کو سنا کہ کئی بار جس تک بات پہنچائی جاتی ہے پہنچانے والے سے زیادہ اس کو سمجھتا ہے۔''

فائدہ:

- حدیث کی روایت کے دو مقصد ہوتے ہیں: الفاظ رسول اللہ ﷺ کو روایت کرنا اور مراد رسول اللہ ﷺ کو امت تک پہنچانا۔اس حدیث کے مطابق حدیث کا اصل مقصد فقہ ہی ہے یعنی مراد رسول ﷺ کو سمجھنا ہے اور فقہا مراد رسول ﷺ ہی کو متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
- صرف نص (قرآن و حدیث) کا یاد ہونا فہم کے لیے کافی نہیں ہے۔
- حدیث یاد کرنا اور اسے سمجھنا اور اس کا مطلب نکالنا دو الگ الگ کام ہیں۔
- پہلا کام یعنی یاد کرنا محدثین کا کام ہے، دوسرا کام یعنی اس کو سمجھنا فقہا کا کام ہے۔
- امام ترمذیؒ اپنے مجموع حدیث، سنن ترمذی میں ایک حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں:

وکذلک قال الفقهاء وهم اعلم بمعاني الحديث (سنن الترمذی، باب غسل المیت، صحیح)

اور اسی طرح فقہا نے (اس حدیث کا مطلب) بیان کیا ہے اور فقہا ہی حدیث کے معانی کو بہتر سمجھتے ہیں

حدیث 9: حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود تو میں نے ایک سیاہ دھاگا اور ایک سفید دھاگا لے کر رکھ لیا اور رات میں دیکھتا رہا مجھ پر ان کے رنگ نہ کھلے، جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

انما ذلک سواد اللیل وبیاض النهار اس سے تو رات کی تاریکی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔(صحیح بخاری، کتاب الصوم)

فائدہ:

- حضرت عدی بن حاتم عربی زبان سے بخوبی آگاہ تھے لیکن اس کے باوجود قوت اجتہاد نہ ہونے کی وجہ سے فہم آیت میں خطا ہو گئی۔
- آپ ﷺ نے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کا انکار نہیں فرمایا البتہ ان کے فہم کی غلطی کی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیث 10

عن ابن مسعود قال قال رسول الله انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة منها ظهر وبطن ولکل حد مطلع۔

(صحیح ابن حبان، کتاب العلم باب الزجر، حسن-الجامع الصغیر، حسن)

حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کے لیے طریقہ اطلاع الگ الگ ہے۔"

حدیث 11

عن ابي جحيفة قال قلت لعلي بن ابي طالب هل عندکم کتاب قال لا الا کتاب الله او فهم اعطيه رجل مسلم

(صحیح البخاری، کتاب العلم)

حضرت ابن جحیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی (اور بھی) کتاب ہے؟ انہوں نے فرمایا: "نہیں، مگر اللہ کی کتاب قرآن ہے یا پھر (اللہ کا دیا ہوا) فہم ہے، جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے۔

- یعنی نصوص کی گہری باتوں کو سمجھنا یہ اللہ تعالی کی خاص دین ہے۔
- اس فہم کو کبھی فقہ کہا گیا ہے، کبھی رائے، کبھی اجتہاد، کبھی استنباط اور کبھی شرح صدر کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مراد حدیث چند مثالیں

حدیث 12

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

افضل الصلوۃ طول القنوت (صحیح مسلم)

افضل نماز وہ ہے جس میں قیام طویل ہو۔

لیکن جب حضرت معاذؓ نے ایک نماز کی امامت کرتے ہوئے طویل قیام کیا جس سے ایک آدمی نے نماز توڑ دی اور اس طویل قیام کی خبر رسول اللہ ﷺ کو کی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا: فتان فتان فتان (تم لوگوں کو فتنے میں ڈالنے والے ہو)، (صحیح بخاری)۔

فائدہ:

- رسول اللہ ﷺ کا حضرت معاذ کو تنبیہ فرمانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب وہ نہیں تھا جو حضرت معاذؓ نے سمجھا۔
- صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق رسول ﷺ نے موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے، لیکن امام بخاریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یہ دعا کی تھی: "اے اللہ مجھے اپنی طرف اٹھالے۔" صرف ایک ماہ کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ حدیث شریف کے واضح حکم کے باوجود امام بخاری کا اپنی موت کی دعا کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ امام بخاری کے نزدیک حدیث کا مفہوم کچھ اور تھا۔
- حدیث میں آتا ہے:

لا صام من صام الابد (صحیح البخاری، کتاب الصیام)

جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس کا روزہ ہی نہیں ہو گا۔

اس کے باوجود امام بخاری ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔

- صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ ہفتے میں صرف ایک قرآن ختم کرو۔ لیکن سیدنا عثمانؓ کے متعلق ان کی اہلیہ کا بیان ہے کہ وہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے (طبرانی بسند حسن)۔

حدیث 13

عن ابي ايوب الانصاري قال قال رسول لا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها ولكن شرقوا او غربوا

(سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، صحیح)

اس روایت کا مفہوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ رفع حاجت کے وقت قبلہ رخ نہ منہ کرو نہ پشت بلکہ اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف رکھو۔

- اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ قبلہ مشرق یا مغرب کی طرف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کسی علاقے کے لوگ مغرب کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے وہاں کے باشندوں کی نماز نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ ہر سمجھ دار شخص جان سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہو سکتا۔

حدیث 14

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول إذا تبایعتم بالعینۃ واخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع وترکتم الجھاد سلط اللہ علیکم ذلا لاینزعہ حتی ترجعوا إلی دینکم (سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، صحیح)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم بیع عینہ کرنے لگو اور گائے (بیل) کی دم پکڑنے لگو اور زراعت پر خوش ہو کر جہاد کو چھوڑ دو گے تو اللہ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جو اس وقت تک نہیں اتارے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہ لوٹو گے۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی ذلت کا سبب خرید و فروخت اور زراعت ہی ہیں جب کہ باقی کام مثلاً، فیکٹری لگانا، دکان کھولنا وغیرہ کا اس ذلت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ظاہری مفہوم ٹھیک نہیں۔ اس کا دوسرا مطلب جو فقاہت (یعنی غور و فکر) سے نکلتا ہے وہ یہ کہ دنیا کے کاموں میں اس طرح لگ جانا کہ جہاد اور اس کے دیگر امور کی طرف سے غفلت ہو جائے جس سے دشمنانِ دین کو مضبوط ہونے کا موقع ملتا ہے جو بالآخر مسلمانوں کی ذلت کا باعث بن جاتا ہے۔

حدیث 15

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یبولن احدکم في الماء الدائم الذي لا یجري ثم یغتسل فیه (صحیح البخاری، کتاب الوضوئ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں (جو جاری نہ ہو) پیشاب نہ کرے پھر اسی میں غسل کرنے لگے۔

اگر ظاہری الفاظ پر جایا جائے تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں صرف پیشاب کرنے سے وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر پیشاب بہہ کر ٹھہرے ہوئے پانی میں چلا جائے تو کیا حکم ہو گا؟ یا اگر کوئی کسی برتن میں پیشاب لا کر ٹھہرے ہوئے پانی میں ڈال دے تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ یا اگر اس میں کوئی اور گندگی ڈالی جائے تو کیا حکم ہو گا؟

تحقیق حدیث

تحقیق حدیث یعنی حدیث سے مسئلہ اخذ کرنا تین باتوں کا نام ہے:

1) حدیث صحیح ہو۔ یعنی یہ واقعی رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے۔ (یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں)
2) اس کے متن سے مرادِ رسول کا تعین ضروری ہے۔ یعنی اس حدیث کا مطلب سمجھنا ہے۔
3) اگر اس حدیث کا تعارض کسی اور حدیث سے ہے تو اس تعارض کو رفع (یعنی دور) کیا جائے۔

اور یہ تینوں کام مدلل طریقے سے ہوں نا کہ اٹکل سے۔

اس میں نمبر 1 محدثین کا کام ہے۔ نمبر 2 اور 3 مجتہدین کے کام ہیں۔ اسی لیے بہت سے محدثین فقہا کے مقلد تھے۔ امام بخاریؒ علم حدیث میں اپنی جداگانہ حیثیت رکھنے کے باوجود امام شافعیؒ کے فتوے پر عمل کرتے تھے یا کبھی خود بھی اجتہاد کر لیتے تھے۔ امام مسلمؒ شافعی تھے۔ امام ابو داؤدؒ حنبلی تھے یا شافعی۔ امام نسائیؒ شافعی تھے۔ امام ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ بھی شافعی تھے۔

حدیث کے بارے میں فقہااور محدثین میں فرق

محدثین کے ہاں حدیث سند کو کہتے ہیں۔ یہ حضرات حدیث کی سند یعنی اس کے راویوں کے بارے میں تحقیق کے ماہر ہوتے ہیں۔اس لیے جب وہ کسی حدیث کو صحیح کہتے ہیں تو ان کا مقصد اس کی صحتِ سند ہوتا ہے متن سے اس کو تعلق نہیں ہوتا۔فقہاکے نزدیک حدیث متن کو کہتے ہیں۔

حدیث کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں محدثین کے جو اصول ہیں وہ اجتہادی ہیں۔خود محدثین کے یہاں ان اصولوں میں اختلاف ہے۔ مثلا: امام بخاریؒ کا اصول یہ ہے کہ راوی جس سے روایت کرتا ہے ان دونوں کی ملاقات ثابت ہو۔ بصورت دیگر وہ روایت ان کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔اس کے برخلاف امام مسلم صرف معاصرت (یعنی ایک زمانے میں ہونا) کافی سمجھتے ہیں۔اسی طرح صحت حدیث کے حوالے سے مجتہدین کے اپنے بھی اصول ہیں جو محدثین کے اصولوں سے مختلف ہیں جس کی وجہ سے وہ حدیث جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے مجتہد کے نزدیک اس سے استدلال (اس کو دلیل بنانا) ممکن ہے۔اسی لیے اہل علم کے درمیان یہ بات معروف ہے جس حدیث سے کسی مجتہد نے استدلال کرلیا (یعنی اس کو اپنی دلیل بنایا) تو وہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اجتہاد کا مدار صحیح حدیث پر ہی ہے۔ جس حدیث کو فقہا نے قبول کر لیا وہ صحیح ہو گئی اور جس کو چھوڑ دیا تو وہ متروک ہو گئی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ تدوین فقہ کا زمانہ تدوین حدیث سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ کوئی حدیث مجتہد تک صحیح سند سے پہنچی ہو اور محدثین تک پہنچتے پہنچتے اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف آ گیا ہو جس کی وجہ سے وہ ضعیف ہو گئی ہو۔

اب ہم چند عنوانات کے ذریعے موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

صحابہ کرام اجتہاد کیا کرتے تھے

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا فباذن اللہ (الایۃ) (الحشر:5)

(مومنو) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو (تمہارا یہ کرنا) اللہ کے حکم سے تھا۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب ایک جنگ کے دوران رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام دشمن کے کھجور کے درخت کاٹنے لگے اس دوران ان میں اختلاف رائے ہوا کہ بعض ان درختوں کاٹنا چاہتے تھے اور بعض نہیں۔اس آیت میں دونوں رایوں کو اللہ کے حکم کے مطابق بتایا گیا۔یعنی جو درخت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کاٹے گئے اور وہ جو اپنی رائے سے صحابہ کرامؓ نے چھوڑ دیے دونوں اللہ کے حکم کے مطابق تھے۔ معلوم ہوا کہ کسی معاملے میں مسلمانوں کی صحیح رائے بھی اللہ ہی کے حکم کے زمرے میں آتی ہے۔البتہ صحیح رائے قائم کرنے کے لیے بھی علم وتدبر کی ضرورت ہے۔ ہر کس و ناکس کی رائے کا اعتبار نہیں ہے۔

حدیث 16

عن طارق ان رجلا اجنب فلم یصل فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک لہ فقال اصبت فاجنب رجل آخر فتیمم وصلی فاتاہ فقال نحو ما قال للآخر یعنی اصبت (سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، صحیح)

طارق سے روایت ہے کہ ایک شخص کو غسل کی حاجت ہو گئی (پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل نہ کیا اور) اس نے نماز نہیں پڑھی اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو نے ٹھیک کیا۔'' پھر ایک اور شخص کو غسل کی حاجت ہو گئی اس نے

تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے وہی ارشاد فرمایا جو پہلے شخص کو فرما چکے تھے، یعنی تو نے ٹھیک کیا۔

فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

- اس مسئلے میں شرعی حکم نہ ہونے کی وجہ سے دونوں صحابہؓ نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔
- اس حدیث سے اجتہاد کا جواز صاف ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر ان صحابہ کو نص (شرعی دلیل) کی اطلاع ہوتی تو پھر عمل کے بعد سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔
- ایک ہی مسئلے میں دو اجتہادی آرا کا ہونا ممکن ہے۔
- آپ ﷺ کا دونوں کی تحسین و تصویب یعنی پسند فرمانا اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔
- شرعی اجتہاد کرنے والے کو گناہ نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

حدیث 17

عن عمرو بن العاص انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا حکم الحاکم فاجتھد ثم اصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد ثم اخطا فلہ اجر۔ (صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

حضرت عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب حاکم اجتہاد کرے اور پھر حق کو پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اپنے اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

حدیث 18

عن عمرو بن العاص قال احتلمت في ليلۃ باردۃ في غزوۃ ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسلت ان اھلک فتیممت ثم صلیت باصحابي الصبح فذکروا ذلک للنبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا عمرو صلیت باصحابک وانت جنب فاخبرتہ بالذي منعني من الاغتسال وقلت اني سمعت اللہ تبارک وتعالی یقول ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما فضحک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یقل شیئا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، صحیح)

حضرت عمروؓ بن العاص روایت کرتے ہیں کہ مجھے غزوہ ذات سلاسل کے سفر میں ایک سخت ٹھنڈی رات کو احتلام ہو گیا اور مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو شاید ہلاک ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے تیمم کر لیا اور صبح کو اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ انہوں اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں نماز پڑھا دی۔" میں نے وہ سبب جس کی وجہ سے میں نے غسل نہیں کیا اس کی اطلاع آپ ﷺ کو کر دی اور یہ (بھی) کہا کہ میں نے حق تعالی کو یہ فرماتے سنا کہ اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔" اس بات پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔

فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوتے ہیں:

- حضرت عمرو بن العاصؓ نے قرآن کی آیت پر غور کر کے ایک مسئلے کا حل نکالا جو اس آیت میں براہ راست موجود نہیں بلکہ ایک اصول دیا گیا ہے جس کو انہوں نے ایک حالت پر منطبق کیا یعنی اپنی حالت پر قیاس کیا۔

- یہ حدیث بھی اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔
- اہل علم صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔
- مجتہدین بھی قرآن حدیث کو اصول بنا کر ان سے مسائل اخذ کرتے ہیں۔

حدیث 19

عن اسود بن یزید اتانا معاذ بن جبل بالیمن معلما وامیرا فسالناہ عن رجل توفي وترک ابنتہ واختہ فاعطی الابنۃ النصف والاخت النصف۔
(صحیح البخاری، کتاب الفرائض)

اسود بن یزید سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاذؓ ہمارے پاس معلم اور امیر (یمن) بن کر آئے۔ پس ہم نے ان سے سوال کیا کہ ایک شخص فوت ہو گیا ہے اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن وارث چھوڑی ہے۔ حضرت معاذؓ نے بیٹی کے لیے نصف (مال کا) اور بہن کے لیے نصف (مال کا) حکم فرمایا جب کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت حیات تھے۔

- جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ عنہ کو یمن کا حاکم و معلم بنا کر بھیجا تو یقینا اہل یمن کو اجازت دی کہ ہر مسئلہ ان سے دریافت کریں۔
- اس روایت سے بھی یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں عام مسلمان اہل علم صحابہ کرامؓ سے فتوی دریافت کرتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ ان کے فتوؤں پر عمل بھی کیا جاتا تھا۔
- ایک فرد معین سے فتوی پوچھنا اور اس پر عمل کرنے کو تقلید شخصی کہتے ہیں۔

صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے سامنے فتوی دیتے تھے جو نافذ ہوتے تھے

جنگ خندق کے دوران بنی قریظہ نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا تھا۔ جنگ سے فراغت کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا گھیراؤ کیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مستقبل کا فیصلہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے ذمہ کیا۔ صحیح مسلم، کتاب المغازی میں آتا ہے:

فرد الحکم الی سعد

تو آپ ﷺ نے (بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ) سعد کے حوالے کر دیا۔

حضرت سعد نے جو فیصلہ کیا وہ پوری طرح نافذ کیا گیا۔

صحیح بخاری، کتاب الشروط میں ایک واقعہ روایت کیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں:

فسالت اھل العلم فاخبروني (الحدیث)

پھر میں نے علم والوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا (یعنی فتوی دیا)۔

اسی روایت میں ہے کہ ان اصحاب علم کا وہ فتوی رسول اللہ ﷺ کے علم میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فتوی بدل دیا لیکن غیر نبی سے فتوی لینے پر کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔

فائدہ:

- صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی حیات میں اجتہاد کرتے تھے جو تسلیم بھی کیے جاتے تھے۔

- رسول اللہ ﷺ ان کے اجتہادات کی اصلاح فرماتے تھے۔

تقلید شخصی

حدیث 20

انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا باللذین من بعدی واشار الی ابی بکر وعمر۔(سنن الترمذی، کتاب الدعوات، صحیح)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھ کو نہیں معلوم کہ تم لوگوں میں کب تک (زندہ) رہوں گا سو تم لوگ ان کی اقتدا (اتباع) کرنا جو میرے بعد ہوں گے۔" اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔

فائدہ:

- یعنی ہر ایک کی خلافت کے زمانے میں اس کی بات ماننا اور ان کا اتباع کرنا۔ یعنی ایک شخص معین کی اتباع کرنے کا حکم فرمایا۔ یہی تقلید شخصی ہے۔
- سیدنا ابو بکرؓ نے حضرت زیدؓ کو جمع قرآن کے کام پر مقرر فرمایا تھا۔ بعد میں سیدنا عثمانؓ نے اسی نسخے کی نقلیں کروا کر اس وقت کے اسلامی علاقوں میں بھجوائیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جمع قرآن میں امت حضرت زیدؓ کی تقلید شخصی کر رہی ہے یعنی ان کی تحقیق کا پھل کھا رہی ہے۔

غیر اہل علم صحابہ کا اہل علم صحابہ سے فتوی دریافت کرتے تھے

حدیث 21

عن سلیمان بن یسار ان ابا ایوب الانصاری خرج حاجا حتی اذا کان بالنازیۃ من طریق مکۃ اضل رواحلہ وانہ قدم علی عمر بن الخطاب یوم النحر فذکر ذلک لہ فقال عمر اصنع کما یصنع المعتمر ثم قد حللت فاذا ادرکک الحج قابلا فاحجج واھد ما استیسر من الھدی۔(موطا مالک، کتاب الحج)

سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ حج کے لیے نکلے جب مکہ کی راہ میں جنگل میں پہنچے تو اپنی سواریاں کھو بیٹھے اور یوم النحر (یعنی 10 ذی الحجہ جب حج ہو چکا تھا) کو پہنچے اور حضرت عمرؓ کو (اپنا) قصہ بتایا۔ آپؓ نے فرمایا: "جو عمرے والا کیا کرتا ہے اب تم بھی وہی کرو، پھر تمہارا احرام کھل جائے گا۔ پھر جب اگلے حج (کا زمانہ) آئے تو حج کرو اور کچھ میسر ہو (اس کی) قربانی کرو۔

فائدہ:

- سب صحابہ اہل فتوی نہیں تھے۔
- غیر مجتہد صحابہ، مجتہد صحابہ سے فتوی لیتے تھے۔
- مجتہد صحابہ اپنے فتوں کی دلیل نہیں دیا کرتے تھے نہ ہی فتوی دریافت کرنے والے اس کو دریافت کرتے تھے۔
- مجتہد کے لیے بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے فتووں کی دلیل بتائے۔
- جو شخص قرآن وحدیث کا ماہر ہو لیکن ان سے مسائل کے استنباط کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی فقیہ سے پوچھ لے کہ کسی مسئلے میں شریعت کا حکم کیا ہے اور وہ جو کچھ بتادے اس پر عمل کرے۔

اہل علم اور غیر اہل علم میں فرق

حدیث 22

من افتی الناس بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔(سنن ابی داؤد، حسن،الجامع الصغیر للسیوطی، صحیح، مشکوۃ المصابیح، حسن)

حضرت ابوہریرہؓ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو بے تحقیق کوئی فتوی دے تو اس کا گناہ اس فتوی دینے والے کو ہوگا۔''

فائدہ:

- اس حدیث میں فتوی دینے کے لیے علم کی شرط لگائی گئی ہے یعنی غیر عالم فتوی نہیں دے سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر اہل علم، فتوے کے لیے اہل علم سے رجوع کریں گے اور اس پر عمل کریں گے چاہے ان کو اس فتوے کی دلیل معلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں علم کی شرط مفتی پر لگائی گئی ہے۔ غیر اہل علم کو تقلید یا اتباع کے علاوہ کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ صحابہ کرام سے لے کر آج تک یہی معمول ہے کہ عامی کو جو مسئلہ پوچھنا ہوتا ہے وہ عالم سے پوچھے، عالم نے جو حکم بتایا سوال کرنے والے نے مانا اور عمل کر لیا۔ اسی کو اصطلاح میں اتباع یا تقلید کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام ہوں یا بعد کے علما، کسی نے بھی عامی کو دلیل سمجھنے کا ذمہ دار نہیں سمجھا۔ رہا دلیل کا جاننا اور سمجھنا یہ خود علم پر منحصر ہے اور غیر عالم کے لیے اس کا جاننا بلکہ کوشش بھی کرنا کار لاحاصل ہے۔ امام غزالیؒ کی نصیحت ہے کہ عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لاکر عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں اور علم کی باتوں میں مداخلت نہ کریں اس کو علما کے حوالے کردیں۔ عامی شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن وحدیث سے براہ راست مسئلہ سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں ایسا کرنا مجتہد مطلق ہی کا منصب ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص اس بات سے آگاہ نہیں کہ فلاں حدیث منسوخ ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ حدیث کا ظاہری معنی مقصود ہے یا نہیں یا کوئی اور حدیث اس کے معارض ہے یا نہیں۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں: عام آدمی جب کوئی حدیث سنے تو جائز نہیں کہ وہ ظاہر حدیث سے جو سمجھا ہے اس پر عمل کرے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں، یا وہ حدیث منسوخ ہو، بخلاف فتوے کے، کیونکہ فتوی تحقیق کے بعد دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرامؓ تقریباً سوا لاکھ تھے جو سب کے سب عربی دان تھے، مگر کتابوں میں چھ سات صحابہ کے فتاوی ملتے ہیں، باقی صحابہؓ انہی فتاوی پر بلا مطالبہ دلیل عمل کرتے تھے اور یہی تقلید ہے۔ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ فتوی دینے والے صحابہ صرف 149 تھے جن میں سے صرف سات صحابہ بکثرت فتوی دیتے تھے، تیرہ صحابہ کبھی کبھار فتوی دیتے تھے اور 110 صحابہ نے ساری زندگی میں ایک ایک یا دو دو فتوے دیئے، باقی صحابہؓ سے ایک فتوی دینا بھی ثابت نہیں۔ اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کے فتاوی بیس جلدوں میں جمع کئے گئے تھے۔

فتوے کی دلیل بتانا ضروری نہیں ہے

حدیث 23

عن سالم بن عبداللہ عن عبداللہ بن عمر انہ سئل عن الرجل یکون لہ الدین علی الرجل الی اجل فیضع عنہ صاحب الحق ویعجلہ الآخر فکرہ ذلک عبداللہ بن عمر ونھی عنہ۔ (موطا مالک، کتاب البیوع، صحیح)

حضرت سالم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر کچھ میعادی قرض ہے (یعنی کوئی ادائیگی کا وقت مقرر ہے)۔ اب قرض خواہ کچھ قرض معاف کرنے کو راضی ہے بشرطیکہ قرض دار قبل از وعدہ قرض لوٹا دے۔ انہوں (عبداللہ بن عمرؓ) نے اس کو ناپسند فرمایا۔

فائدہ:

- حضرت عبداللہ بن عمر کا جواب ان کا اپنا اجتہاد تھا۔اس پر کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔

واجب بالذات اور واجب بالغیر

اللہ تعالی نے اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے یعنی ہم پر ان کی اطاعت واجب ہے۔ لیکن اس حکم اطاعت کو پورا کرنے کے لیے ہمیں احادیث کے مجموعوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ احادیث کے مجموعوں کی طرف رجوع کرنا بھی واجب ہوا(حاشیہ: 11)۔اطاعت رسول ﷺ واجب بالذات ہے۔ جب کہ احادیث کے مجموعوں کی طرف رجوع کرنا واجب بالغیر ہے۔اسی طرح حدیث کا علم ہے جو واجب الذات ہے۔ پھر خود حدیث کی صحت مقرر کرنے کے لیے سند کی تحقیق بھی ضروری ہے۔ لیکن اس کی سند کی تحقیق واجب بالغیر ہے۔واجب بالذات کے لیے دلیل کی ضرورت پڑتی ہے،واجب بالغیر کے لیے نص(دلیل) کی ضرورت نہیں ہوتی صرف علمائے کرام کا اتفاق درکار ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا او فقد عصی

جو شخص تیر اندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں یا(یہ فرمایا کہ)وہ گناہگار ہوا۔

اصل مقصود تو دشمنان دین سے دین کی حفاظت ہے جو واجب ہے لیکن اس کے لیے تیر اندازی(یا ہمارے دور کے ہتھیاروں کا استعمال) سیکھنا بھی واجب ہوا جس کو ترک کرنے پر اس حدیث میں وعید آئی ہے۔ یعنی مقدمۃ الواجب بھی واجب ہوتا ہے۔ یعنی واجب کو پورا کرنے کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے۔ایک اور مثال یہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب بالذات ہے اس پر نص(حدیث) موجود ہے، لیکن عام لوگ اس کو بغیر اعراب کے صحیح نہیں پڑھ سکتے چنانچہ اس کو صحیح پڑھنے کے لیے اس پر اعراب لگانا واجب بالغیر ہے۔ چنانچہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت واجب بالذات ہے جو واجب بالغیر (اعراب) کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی۔اسی طرح تقلید بھی ہے کہ دین پر عمل کرنا واجب بالذات ہے لیکن یہ عمل بھی واجب بالغیر یعنی فقہائے امت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔اس لیے کہ فقہائے امت ہی حدیث کی مراد سمجھنے کے لیے واسطہ ہیں اس لیے ہمیں فقہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں فقہا کی تقلید کرنی پڑتی ہے۔ یہ اسی طرح کی تقلید ہے جس طرح سند کی صحت کے لیے ہم محدثین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ گو اس کو اصطلاحی پر تقلید نہ کہا جائے لیکن عملا تو یہی ہے۔

تقلید

تقلید ایک اصطلاحی لفظ ہے۔اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: تسلیم القول بلا دلیل یعنی کسی عالم کی بات کو دلیل کے مطالبے کے بغیر مان لینا تقلید ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں کسی عالم کا قول اس حسن ظن پر قبول کر لینا کہ وہ جو بتا رہا ہے وہ حق ہے اور دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

اس کا تعلق اجتہادی مسائل سے ہے۔ جو خود اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہو اس کو مجتہد کہتے ہیں اور خود اجتہاد نہ کر سکے اور مجتہد کی تقلید کرے اس کو مقلد کہتے ہیں۔اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے:

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (النحل:43)

اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر(علم والے) سے پوچھ لو

11:اس کو اصطلاح میں مقدمۃ الواجب واجب کہتے ہیں۔

گو تقلید کا تعلق فقہی مسائل ہے لیکن روح تقلید تو ہر فن میں جاری ہے۔ علم کی دنیا میں یہ عام ہے۔ مثلاً، صحت حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ کا قول ان کا علمی اجتہاد ہے اور ان کے اجتہاد کو تسلیم کرنا ان کی تقلید یا اتباع ہے۔ اسی طرح فقہائے کرام نے شرعی مسائل کے حل کے سلسلے میں اجتہادات کیے ہیں۔ ان کے اجتہادات کو تسلیم کرنا ان کی تقلید یا اتباع ہے۔ یہی حال تمام دینی علوم کا ہے۔ فہم لغت (عربی) کے لیے اہل لغت اور اہل صرف و نحو کی تحقیق کو مانا جاتا ہے یہ اس علم میں ان کی تقلید ہے۔ یا مثلاً تفسیر میں ابن کثیرؒ کی رائے کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اس میدان میں ان کی رائے کو ماننا یہ ان کی تقلید ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد فرمایا، اس حکمنامے میں نہ آیت سے دلیل بیان کی نہ حدیث سے، محض اپنی رائے یعنی اجتہاد سے ایسا کیا۔ تمام صحابہ نے ابو بکرؓ کی رائے کی تقلید میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ تلاوت قرآن میں بھی ہر مسلمان تقلید ہی کرتا ہے کیونکہ نہ وہ اعراب سے واقف ہے نہ او قاف کے دلائل سے واقف ہے۔ صرف اس حسن ظن پر وہ قبول کرتا ہے کہ لگانے والے نے با دلیل لگائے ہیں۔ دلیل سے آگہی نہیں ہے۔ اس کے باجود اس کی تلاوت باعث اجر اور مقبول ہے۔

ایک حدیث سے مختلف معنی مراد ہو سکتے ہیں

حدیث 24

عن عبد اللہ قال نادی فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم انصرف عن الاحزاب ان لا یصلین احد الظھر الا فی بنی قریظۃ فتخوف ناس فوت الوقت فصلوا دون بنی قریظۃ و قال آخرون لا نصلی الا حیث امر نا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان فاتنا الوقت قال فما عنف واحدا من الفریقین۔ (صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر)

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن میں صحابہؓ سے فرمایا کہ عصر کی نما بنی قریظہ (کی بستی) میں پہنچنے سے پہلے کوئی نہ پڑھے۔ لیکن صحابہ (کو تاخیر ہو گئی اور) عصر کا وقت ختم ہونے کا اندیشہ ہو گیا اس پر بعض صحابہؓ نے بنی قریظہ پہنچے سے پہلے ہی نماز پڑھ ڈالی اور بعض دوسروں نے کہا کہ نے کہا ہم نماز نہیں پڑھیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق (بنی قریظہ) نہ پہنچ جائیں چاہے وقت ختم ہو جائے، (پھر یہ بات رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئی تو) آپ ﷺ نے کسی پر بھی ملامت نہیں کی۔

فائدہ:

- بعض حدیثوں کا مفہوم ایک سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔
- بعض صحابہؓ الفاظ کے ساتھ مراد حدیث پر بھی غور کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔
- بعض دیگر صحابہ کرامؓ حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے تھے۔
- حدیث صرف سند کا نام نہیں بلکہ متن بھی اس میں شامل ہے۔ سند کے صحیح ثابت ہونے کے بعد حدیث کے متن کا معنی یعنی مراد کا متعین کرنا بھی ضروری ہے۔
- مراد رسول ﷺ سمجھ کر اس پر عمل کرنا ترک حدیث نہیں ہے۔
- مجتہدین نے بھی اپنی اجتہادی صلاحیتوں کے ذریعے مراد رسول ﷺ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

• جن صحابہ نے نماز پڑھی انہوں نے "نماز اپنے وقت پر ادا کرو" کے قرآنی قاعدے پر عمل کیا جب کہ جنہوں نے نماز قضا پڑھی ان کے فہم کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے حکم کے سبب آج کی نماز اس قاعدے سے مستثنیٰ تھی۔

• یہ فرق مجتہدین کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ کوئی ایک قاعدے کی بنیاد پر فتویٰ دیتا ہے اور دوسرا مجتہد کسی اور قاعدے کی بنیاد پر فتویٰ دیتا ہے۔

ایک ہی صورتحال میں فتوے مختلف ہو سکتے ہیں

حدیث 25

عن ابي هريرة ان رجلا سال النبي صلى الله عليه وسلم عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه آخر فساله فنهاه فاذا الذي رخص له شيخ والذي نهاه شاب۔

(مشکوۃ المصابیح، صحیح، سنن ابی داؤد، کتاب الصوم، حسن)

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے روزہ دار کے بیوی سے چمٹ کر سونے کے متعلق پوچھا، آپ نے اس کو اس کی اجازت دی، اور ایک دوسرا شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے بھی اسی سلسلہ میں آپ ﷺ سے پوچھا تو اس کو منع کر دیا، جس کو آپ ﷺ نے اجازت دی تھی، وہ بوڑھا تھا اور جسے منع فرمایا تھا وہ جوان تھا۔

حدیث 26

عن ابي سعيد الخدري قال خرج رجلان في سفر فحضرت الصلاة وليس معهما ماء فتيمما صعيدا طيبا فصليا ثم وجدا الماء في الوقت فاعاد احدهما الصلاة والوضوء ولم يعد الآخر ثم اتيا رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرا ذلك له فقال للذي لم يعد اصبت السنة واجزاتك صلاتك وقال للذي توضا واعاد لك الاجر مرتين۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، صحیح)

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ دو شخص ایک سفر میں نکلے تو نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا اور نماز پڑھی، پھر وقت کے اندر ہی انہیں پانی مل گیا تو ان میں سے ایک نے نماز اور وضو دونوں کو دہرایا، اور دوسرے نے نہیں دہرایا، پھر دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو ان دونوں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے نماز نہیں لوٹائی تھی: "تم نے سنت کو پا لیا اور تمہاری نماز تمہیں کافی ہو گئی"، اور جس شخص نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی تھی اس سے فرمایا: "تمہارے لیے دوگنا ثواب ہے۔"

صرف الفاظ ہی مراد نہیں ہوتے

صحیح مسلم، کتاب الحدود میں ابوعبدالرحمان السلمی کی روایت کا مفہوم ہے کہ حضرت علیؓ نے خطبے میں یہ ذکر کیا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک بدکار لونڈی کو درے مارنے کا حکم فرمایا تھا۔ جب وہ اس حکم کو پورا کرنے کے لیے اس لونڈی کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریب ہی اس کے یہاں ولادت ہوئی ہے جس پر حضرت علیؓ نے اس اندیشے کی بنیاد پر کہ اس کو درے مارنے پر وہ جان ہی سے نہ چلی جائے اس کو درے نہ لگائے اور جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کا ذکر کیا آپ ﷺ نے فرمایا:

احسنت بہت اچھا کیا۔

فائدہ:

• آپ ﷺ کے حکم میں صحت یا عدم صحت کی کوئی قید نہ تھی لیکن حضرت علیؓ نے اپنی اجتہادی صلاحیت کی بنا پر اس حکم کو قدرت تحمل (برداشت) سے مقید سمجھا اور اس پر عمل کیا جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف فرمائی۔

- صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے حکموں پر غور وفکر کرتے اور ان کی مراد سمجھ کر عمل کرتے تھے۔
- مجتہد بھی کسی حدیث کو کسی شرط سے مقید سمجھ کر اس پر عمل کو موقوف (ترک) کرسکتا ہے۔

حدیث 27

عن معاذ بن جبل قال کنت ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی حمار یقال لہ عفیر فقال یا معاذ ھل تدري ما حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ ولا یشرکوا بہ شیئا وحقھم علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک بہ قال فقلت یا رسول اللہ افلا ابشر الناس قال لا تبشرھم فیتکلوا۔ (صحیح البخاری، کتاب الجھاد والسیر)

حضرت معاذؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جس گدھے پر سوار تھے، میں اس پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس گدھے کا نام عفیر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالی کا حق اپنے بندوں پر کیا ہے؟ اور بندوں کا حق اللہ تعالی پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالی پر یہ ہے کہ جو بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اللہ اسے عذاب نہ دے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا میں اس کی لوگوں کو بشارت نہ دے دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اس کی بشارت نہ دو ورنہ وہ خالی اعتماد کر بیٹھیں گے۔

فائدہ:

- اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو اطلاع نہ دینے کی ہدایت فرمائی تھی لیکن حضرت معاذؓ نے اپنی اجتہادی صلاحیت سے یہ سمجھا کہ یہ ہدایت اطلاع دینے کو مانع نہیں یعنی یہ ہدایت روایت بیان کرنے سے نہیں روکتی۔ ورنہ صحابیؓ پر مخالفت رسول ﷺ کا الزام آئے گا۔
- مجتہد صحابہ کرامؓ احکام کی علتوں اور دین کی دیگر نصوص پر غور کر کے اجتہاد کے ذریعے سے مراد رسول ﷺ کو پانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہاں حضرت معاذؓ نے کتمان علم (علم چھپانے کی وعید) کی حدیث کو سامنے رکھا اور اس بات کی اطلاع دے دی۔
- اگر مجتہد کسی علت کی وجہ سے حدیث پر نہ عمل کرنے کا حکم لگائے (جیسا کہ حضرت معاذؓ نے کیا) تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کو ترک حدیث نہیں کہا جائے گا۔

حدیث 28

عن ابي ھریرۃ ان سعد بن عبادۃ الانصاري قال یا رسول اللہ ارایت الرجل یجد مع امراتہ رجلا ایقتلہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قال سعد بلی والذي اکرمک بالحق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا الی ما یقول سیدکم۔

(صحیح مسلم، کتاب اللعان)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے سعد بن عبادہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کردے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" سعدؓ بولے: "کیوں نہ قتل کرے قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو دین حق کے ساتھ مشرف فرمایا میں تو تلوار سے فوراً اس کا کام تمام کردوں گا۔" رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا: "سنو! تمہارا سردار کیا کہتا ہے۔"

فائدہ:

- بظاہر حضرت سعدؓ نے حدیث کا انکار کیا کہ رسول اللہ ﷺ قتل نہ کرنے کا حکم دے رہے ہیں لیکن حضرت سعدؓ اس پر اصرار کر رہے ہیں۔ انؓ کے انکار کے باوجود رسول اللہ ﷺ 'سردار' کہہ کر ان کی تعریف فرما رہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ حضرت سعدؓ رسول ﷺ کے ارشاد کا مطلب کچھ اور سمجھے اور آپ ﷺ کا ان کو سردار کہہ تعریف فرمانا اس کی تائید تھی۔
- مجتہد اگر اپنی اجتہادی قوت سے حدیث کے کسی دقیق (گہرے) مفہوم کو سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرے اور ظاہری مفہوم کو اختیار نہ کرے تو ایسا کرنا جائز ہے۔
- یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی مجتہد کا اجتہاد ظاہر حدیث کے خلاف معلوم ہوتا ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ اس حدیث کے بیک وقت کئی معانی نکلتے ہوں اور اس نے ان مختلف معانی میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کی مثال بنو قریظہ والی حدیث ہے (حدیث 24، ص 27)۔ یا وہ کسی اور حدیث کو اس حدیث کے مقابلے میں راجح (زیادہ ترجیح دینا) سمجھتا ہے جس کی وجہ سے اس نے اس حدیث کو ترک کر دیا ہے۔

مجتہد

مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن وسنت سے مسائل کو اخذ کر سکے یعنی مسائل کا حل ڈھونڈ سکے۔ مجتہد کی مثال ماہر قانون کی سی ہے جو قانون بنانے والا نہیں ہوتا بلکہ قانون کا شارح یعنی شرح کرنے والا ہوتا ہے۔ عام آدمی کو جب ضرورت پڑتی ہے تو اس سے پوچھ کر عمل کرتا ہے۔ مجتہد وہ عالم ہوتا ہے جس کو پانچ طرح کے علوم پر عبور ہوتا ہے۔ اول کتاب اللہ، یعنی قرآن مجید کا علم، دوم سنت رسول ﷺ کا علم، سوم علمائے سلف کے اقوال کا علم کہ ان کا اتفاق کس قول پر ہے اور اختلاف کس قول میں ہے۔ چہارم لغت عربی کا علم، پنجم قیاس کا علم۔ قیاس جو قرآن وحدیث سے حکم نکالنے کا طریقہ ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد ہوں (سند و متن سے پوری طرح آگاہ ہو) اور صحابہ اور تابعین کے فتاوی میں بصیرت تامہ رکھتا ہو تب وہ اجتہاد کر سکتا ہے، یعنی مکمل علم، رکھتا ہو تو وہ اجتہاد کر سکتا ہے۔ یہ ہے وہ معیار جس کا حامل شخص ہی مجتہدین فقہا کی رائے پر کوئی بات کر سکتا ہے۔ جو اس درجہ علمیت کا حامل نہ ہو تو ایسے کسی شخص کا کسی مجتہد کے اجتہاد کو مخالف حدیث کہہ دینا بڑی جرات کی بات ہے۔ آج کل پانچ لاکھ حدیثیں یاد ہونا تو بڑی بات ہے، ایسا عالم جس کو صحیح بخاری سند و متن کے ساتھ یاد ہو ڈھونڈے نہیں ملتا جب کہ صحیح بخاری میں صرف 7275 احادیث ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف فن کے ماہر کی تحقیق ہی مانی جائے گی۔ چنانچہ حدیث کے لیے علم حدیث کے ماہر اور فقہ کے لیے فقہ کے ماہر۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ دین و دنیا دونوں میں نقصان اٹھائے گا۔ رسول اللہ ﷺ جب بیعت لیتے تو اس میں ایک عہد یہ بھی لیتے تھے کہ ان لا ننازع الامر اھلہ یعنی اہل امر (حکام و علما) سے منازعت (حجت بازی) نہیں کریں گے۔

یہاں اتنا اور جان لیجیے کہ کسی مجتہد کا قول کسی حدیث کے مخالف ثابت کرنے کے لیے تین باتیں ضروری ہیں:

1) اس مسئلہ کی صحیح مراد معلوم ہو یعنی ہمیں معلوم ہو کہ مجتہد کے اس قول سے اس کی کیا مراد ہے۔ دوسرے لفظوں میں فقہ کے مسئلے کو پورا اور صحیح سمجھنا۔

2) اس کی دلیل پر اطلاع ہو۔ یعنی ہمیں معلوم ہو کہ مجتہد نے کس آیت یا حدیث کی بنیاد پر اس قول کو اختیار کیا ہے۔

3) اس کا طریقہ استدلال معلوم ہو۔ یعنی وہ اس نتیجے پر کس طور پہنچا ہے۔ اس لیے کہ بعض اوقات وہ مختلف آیات واحادیث کو سامنے رکھ کر ایک نتیجے پر پہنچتا ہے۔ جس طرح ایک ماہر ڈاکٹر کسی مرض کی تشخیص کرتا ہے تو مختلف علامتوں پر غور کرتا ہوا ایک نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اب اگر کوئی نااہل اس سے دریافت کرے کہ وہ اس نتیجے پر کیسے پہنچا تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ اس چیز کو سمجھنا کسی ڈاکٹر کا کام ہے۔ اسی طرح مجتہد کسی نتیجے پر کیسے پہنچا یہ سمجھنا اہل علم

کا کام ہے۔اور غیر اہل علم کو سمجھانا ناممکن سی بات ہے۔اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ کسی مجتہد کی رائے پر اعتراض کرنا ایسے شخص کا کام ہے جو خود بہت بڑا عالم ہو، روایات اور درایت (فہم حدیث) کا ماہر ہو۔

اجتہاد کے لیے صرف قرآن وحدیث کا علم کافی نہیں

حدیث 29

خرجنا في سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه في راسه فاحتلم فسال اصحابه هل تجدون لي رخصة في التيمم قالوا ما نجد لک رخصة وانت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بذلک قال قتلوه قتلهم اللہ الا سالوا اذا لم یعلموا فانما شفاء العي السوال انما کان یکفیه ان یتیمم ویعصب علی جرحه خرقة ثم یمسح علیها ویغسل سائر جسده۔ (سنن ابی داؤد، حسن)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص زخمی ہو گیا اس کے بعد اس کو احتلام ہو گیا۔اس کے ساتھیوں نے اس کو غسل کا حکم کیا اس نے غسل کیا (جس کی وجہ سے زخم خراب ہو گیا) اور وہ شخص فوت ہو گیا۔یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اللہ ان کو قتل کرے کیا لاعلمی کا علاج پوچھ لینا نہیں ہے؟ اس کو تو یہ کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا اور باقی بدن کو دھو ڈالتا۔''

فائدہ:

- رسول اللہ ﷺ نے نصوص پر غور کرنے کی تعلیم فرمائی یا اگر ناواقف ہے تو پوچھ لینا چاہیے۔
- رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا سبب یہ تھا کہ وہ صحابہ فتوی دینے کے اہل نہیں تھے جس کے نتیجے میں ایک جان ضائع ہو گئی۔
- یہ خطائے اجتہادی نہیں بلکہ نااہل کا فتوی دینے کا معاملہ ہے۔کیونکہ اجتہادی خطا پر اجر کی بشارت تو خود آپ ﷺ نے دی ہے۔
- انہوں نے آیت قرآنی وان کنتم جنبا فاطھروا کو سامنے رکھتے ہوئے فتوی دیا جب کہ وان کنتم مرضی کی اصل غایت (مفہوم) ان کی نگاہ سے اوجھل رہی۔
- نصوص پر غور و فکر کر کے مسئلہ نکالنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔
- نااہل کا اجتہاد کرنا کسی حال میں جائز نہیں چاہے اس کا اجتہاد صحیح بھی ہو جائے۔
- جو شخص خود ہی مطالعہ کر کے اپنے مسئلے کے حل ڈھونڈے وہ دراصل اجتہاد کا دعوی کر رہا ہے۔
- قرآن وحدیث کا علم ہونا اور بات ہے اجتہاد کی صلاحیت ہونا اور بات ہے۔(دیکھیے حدیث 8 ص 17)

فتوی وقت کے تقاضے کو دیکھ کر دیا جاتا ہے

حدیث 30

عن بسر بن ارطاة قال سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تقطع الایدي في الغزو۔(سنن الترمذی کتاب الحدود، صحیح)

حضرت بسرؓ بتاتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے: ''جنگ (کی حالت) میں (چوروں) کے ہاتھ مت کاٹو۔

فائدہ:

- فتوی وقت کے تقاضے کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے۔

- سیدنا عمرؓ نے قحط سالی کے زمانے میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا روک دی تھی۔

لایقطع في عذق ولا عام السنة (مصنف عبدالرزاق)

فتویٰ مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر دیا جاتا ہے

حدیث 31

زید بن ثابت رضي الله عنه قال ارسل الي ابو بكر مقتل اهل اليمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده قال ابو بكر رضي الله عنه ان عمر اتاني فقال ان القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن واني اخشى ان يستحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن واني ارى ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عمر هذا والله خير فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدري لذلك ورايت في ذلك الذي راى عمر (الحديث)

(صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جنگ یمامہ میں حضرت ابو بکرؓ نے مجھے بلا بھیجا وہاں جا کر دیکھتا ہوں کہ عمرؓ بھی موجود ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ یہ عمرؓ میرے پاس یہ مشورہ لے کر آئے ہیں کہ جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ صحابہ شہید ہو گئے ہیں اور مجھے (عمرؓ کو) اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح مختلف معرکوں میں حفاظ صحابہ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اس لیے میری (عمرؓ کی) رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو ایک جگہ (تحریری طور پر) جمع کرنے کا حکم فرما دیں۔ میں نے عمرؓ کو جواب دیا ہے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کس طرح کروں؟ حضرت عمرؓ نے کہا اللہ کی قسم اس کام (میں) خیر ہی خیر ہے اور بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے دل کو بھی اسی بات پر اطمینان دے دیا جس بات پر عمرؓ کو اطمینان حاصل تھا۔

فائدہ:

- حضرت ابو بکرؓ کو ابتدا میں حضرت عمرؓ کے مشورے پر عمل کرنے پر تردد تھا۔ بلکہ وہ اس کام کو بدعت میں داخل سمجھ رہے تھے۔ انؓ کے الفاظ تھے:

"میں نے عمرؓ کو جواب دیا ہے کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کس طرح کروں؟"

لیکن حفاظت دین جو اولی الامر (حاکم) کا کام ہے اس کی ضرورت نے ان کو اس کام کے ٹھیک ہونے پر اطمینان بخشا اور یہ کہ یہ عمل بدعت نہیں ہے۔

- مجتہد بھی اپنے اجتہاد میں مقاصد شریعت کو پیش نظر رکھتا ہے اور جو چیز ان کے حصول میں معاون نظر آئے گی اس کو اختیار کرنے کا حکم دے گا۔

تلقی بالقبول

اسلام میں عملی مسائل کا اصل دار و مدار تعامل امت پر ہے۔ جس حدیث پر امت بلا نکیر عمل کرتی چلی آ رہی ہو اس کی سند پر بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جس حدیث پر پوری امت نے عمل ترک کر دیا ہو اس کی سند خواہ کتنی ہی صحیح ہو وہ معلول قرار پاتی ہے۔ جیسے الماء طهور لا ينجسه شئ الا ما غلب على ريحه او طعمه او لونه یعنی پانی پاک ہے جب تک اس کی بو، ذائقہ اور رنگ نہ بدل جائے، ضعیف ہے لیکن اس کو علما نے قبول کیا ہے اور اس پر امت میں ہمیشہ سے عمل رہا ہے۔ اسی لیے محدثین کا اصول ہے کہ جس حدیث کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہو تو وہ حدیث صحیح ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کو امت کے علما اور صلحا نے قبول کر لیا اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا ان کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ جیسے قرآن کا ایک مصحف میں جمع کرنے کی کوئی روایت نہیں البتہ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے اور امت نے اس کو قبول کر لیا۔ تلقی بالقبول کی مثال صحیح بخاری کی مقبولیت ہے جس کی صحت کی بنیاد پر اس کو اصح الکتاب بعد

الکتاب (قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب) کہا جاتا ہے۔ لیکن اس اصول پر پر بدعات جائز نہیں ہو جاتیں کیونکہ وہاں قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

تقلید کی مثالیں

تقلید کا مفہوم یہ ہے کہ کسی عالم کا قول اس حسن ظن پر قبول کر لینا کہ وہ جو بتا رہا ہے وہ حق ہے اور دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

اس تعریف کو سامنے رکھیے تو پتہ چلے گا کہ شرعی علوم میں تقلید کے بغیر گزارا ہی نہیں ہے۔ گو معروف فقہی تقلید نہ صحیح لیکن عملا یہ سب تقلید ہی ہے۔

- لغت میں ائمہ صرف ائمہ نحو کی تقلید کی جاتی ہے۔
- راویوں کو ضعیف اور ثقہ کہنے میں علمائے اسماالرجال کی تقلید کی جاتی ہے۔
- راویوں کی پیدائش رہائش و موت میں تاریخ دانوں کی تقلید کی جاتی ہے۔
- حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں محدثین کی تقلید کی جاتی ہے۔
- تلاوت قرآن میں بھی ہر مسلمان تقلید ہی کرتا ہے کیونکہ نہ وہ اعراب سے واقف ہے نہ او قاف کے دلائل سے واقف ہے۔ صرف اس حسن ظن پر وہ قبول کرتا ہے کہ لگانے والے نے بادلیل لگائے ہیں۔ دلیل سے آگہی نہیں ہے۔ اس کے باجوداس کی تلاوت باعث اجر اور مقبول ہے۔
- ایمانیات میں تو سارے کے سارے مسلمان تقلیدی ہیں جو کچھ علمائے کرام نے انہیں بتادیا انہی باتوں پر ان کا ایمان ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص مسلمان تو ہے لیکن اسلام کے حق ہونے کے تفصیلی دلائل اسے نہیں معلوم۔ اس کے باوجود وہ مسلمان ہے۔

حسن ظن

تقلید کی جو تعریف کی گئی ہے وہ یہ ہے:

"کسی کا قول اس حسن ظن پر قبول کر لینا کہ وہ جو بتا رہا ہے وہ حق ہے اور دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔" ہمارے علوم کا مدار پچھلوں کی ثابت شدہ تحقیق پر ہوتا ہے۔ اس میں بتانے والے کی علمیت پر حسن ظن قائم ہوتا ہے کہ وہ صحیح بتائے گا۔ جس طرح محدثین اور خاص طور پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اور صحاح کے مؤلفین کی تحقیق پر اعتماد اس حسن ظن پر قائم ہے کہ انہوں نے حدیث کی صحت کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد کسی دلیل پر ہے (حاشیہ: 12)۔ اسی طرح مجتہدین کے متعلق بھی یہی حسن ظن ہے کہ انہوں نے کسی مسئلے میں جو فیصلہ فرمایا ہے اس کی بنیاد کسی دلیل پر ہے۔

حدیث 32

عن ابن عمر قال قال عمر اني ان لا استخلف فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یستخلف وان استخلف فان ابا بکر قد استخلف (الحدیث) (سنن ابی داؤود کتاب الخراج والامارۃ والفيء، صحیح)

عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے کہا: اگر میں کسی کو خلیفہ نامزد نہ کروں (تو کوئی حرج نہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اور اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کر دوں (تو بھی کوئی حرج نہیں) کیونکہ ابو بکرؓ نے خلیفہ مقرر کیا تھا۔

12: کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کرنا خود ایک بہت بڑا کام ہے جو ہر کس و نا کس کے بس کی چیز نہیں۔ عام طور پر علمائے کرام بھی کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ تقلیداً ہے نہ کہ تحقیقاً۔ علم کی دنیا میں یہی ہوتا ہے۔ پچھلوں کی ثابت شدہ تحقیق کو مان کر چلنا پڑتا ہے۔ ورنہ علوم کی ترقی رک جائے گی۔

• سیدنا ابو بکرؓ نے جب خلافت کے لیے سیدنا عمرؓ کو نامزد کیا تھا تب اس نامزدگی کی کوئی دلیل نہیں پیش کی تھی۔اس کے باوجود سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابو بکرؓ پر اپنے حسن ظن کا اظہار کیا اور ابو بکرؓ کے عمل کو رسول اللہ ﷺ کے عمل کے ساتھ ہی ذکر کیا اور دونوں میں سے کسی کے عمل اختیار کرنے کو برابر کا درجہ دیا۔

عن ابن عباس اذا حدثنا ثقة بفتیا عن علي لم نتجاوزھا (فتح الباري لابن حجر العسقلاني، صحیح)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی ثقہ (قابل بھروسہ) آدمی ہم سے حضرت علیؓ کا فتوی بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی پس و پیش نہیں کریں گے۔

• سیدنا عباسؓ نے سیدنا علیؓ پر اپنے حسن ظن کا اظہار فرمایا۔

اتباع کی قسمیں

اللہ کا اتباع

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (اعراف:3)

(لوگو) جو (کتاب) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس کی پیروی کرو اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو۔

رسول کا اتباع

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعوني یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم (آل عمران:31)

تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میری راہ چلو تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے تمہارے گناہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جماعت کا اتباع

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا

(النساء:115)

اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستے کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اس کو اسی کی طرف جو اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔

یہ آیت اجماع امت پر عمل کرنے کی دلیل ہے۔

مجتہد کا اتباع

واتبع سبیل من اناب الي (لقمان:15)

راہ چل اس کی جو رجوع ہوا میری طرف

سنت رسول ﷺ، سنت صحابہؓ

حضرت عرباضؓ سے ایک روایت ہے جس میں آپ ﷺ کی وصیت ہے کہ میرے بعد بہت سے اختلافات پیدا ہوں گے اس کے بعد ارشاد فرمایا:

علیکم بسنتي وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ (سنن ابن ماجہ کتاب المقدمات، صحیح)

تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت جو ہدایت یافتہ ہیں ان (یعنی میری اور ان کی سنت) کو اپنی داڑھوں مضبوط پکڑنا۔

حضرت علیؓ کی ایک روایت ہے کہ :

جلد النبي صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابو بکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنۃ وھذا احب الي (الحدیث)

(صحیح مسلم کتاب الحدود)

رسول اللہ ﷺ نے (شرابی کو) چالیس (کوڑے) لگوائے اور ابو بکرؓ نے بھی چالیس (کوڑے لگوائے) اور عمرؓ نے اسی (کوڑے لگوائے) اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے اور مجھے یہ (یعنی اسّی کوڑے) زیادہ پسند ہیں۔

فائدہ:

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کے فیصلے سنت کا درجہ رکھتے ہیں۔

حدیث 33

عن ابي وائل قال جلست مع شیبۃ علی الکرسي في الکعبۃ فقال لقد جلس ھذا المجلس عمر رضي اللہ عنہ فقال لقد ھممت ان لا ادع فیھا صفراء ولا بیضاء الا قسمتہ قلت ان صاحبیک لم یفعلا قال ھما المرءان اقتدي بھما۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالسنۃ)

ابو وائل نے بیان کیا کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تو شیبہ نے فرمایا کہ اسی جگہ بیٹھ کر عمرؓ نے (ایک مرتبہ) فرمایا کہ میرا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ کعبہ کے اندر جتنا سونا چاندی ہے اسے نہ چھوڑوں (جسے زمانہ جاہلیت میں کفار نے جمع کیا تھا) بلکہ سب کو نکال کر (مسلمانوں میں) تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کی کہ آپ کے ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ) نے تو ایسا نہیں کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بھی انہیں کی پیروی کر رہا ہوں (اسی لیے میں اس کو ہاتھ نہیں لگاتا)۔

- سیدنا عمرؓ نے اپنے عمل کی بنیاد رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ کے عمل پر رکھی یعنی ابو بکرؓ کا فیصلہ بھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی طرح نافذ ہو سکتا ہے۔

حدیث اور سنت میں فرق

حدیث اور سنت دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں جو عربی زبان میں اپنے لغوی معنی ہی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ حدیث کے معنی بات، قول، اور کلام کے ہیں اور یہ لغت میں جدید یعنی نئی چیز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جب کہ سنت کے معنی پٹے (استعمال) ہوئے راستے، عام طریقے اور جاری و ساری عمل کے ہیں۔ البتہ اتنا پیش نظر رہے کہ لغوی اور اصطلاحی طور پر دو مختلف الفاظ ہونے کے باجود حدیث اور سنت دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہیں۔ حدیث اور سنت میں جو تعلق ہے وہ کچھ اس طرح ہے :

1) کبھی حدیث اور سنت الگ الگ ہوتی ہیں یعنی ایک چیز حدیث تو ہوتی ہے لیکن وہ سنت کا درجہ نہیں پاتی۔

2) کبھی دونوں جمع ہو جاتے ہیں کہ جو حدیث ہوتی ہے وہ سنت بھی ہوتی ہے۔

3) کبھی سنت الگ ہو جاتی ہے لیکن وہ حدیث نہیں ہوتی۔

ان کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

حدیث اور سنت کے اصطلاحی معنی

حدیث کے اصطلاحی معنی

1) رسول اللہ پاک ﷺ نے زندگی میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب حدیث ہے۔

2) رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں جو بھی کام کیا ہے وہ حدیث ہے۔

3) رسول اللہ ﷺ نے جن باتوں کو برقرار رکھا ہے وہ بھی حدیث ہے۔ یعنی کسی مسلمان نے کوئی کام کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھا، یا وہ آپ ﷺ کے علم میں آیا اور آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کو برقرار رکھا، اس کی تائید فرمائی تو یہ بھی حدیث ہے۔

4) رسول اللہ پاک ﷺ کی صفات یعنی ذاتی حالات بھی حدیث ہیں۔

ان چاروں معنوں میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ منسوب ہے وہ حدیث ہے۔ لیکن کسی بات کا حدیث ہونا ایک بات ہے اور اس کا سنت ہونا دوسری بات ہے۔

حدیث 34

عن ابي الطفيل، قال قلت لابن عباس يزعم قومك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رمل بالبيت وان ذلك سنة قال صدقوا وكذبوا قلت وما صدقوا وما كذبوا قال صدقوا قد رمل رسول الله صلى الله عليه وسلم وكذبوا ليس بسنة۔

(سنن ابی داوٗد، کتاب المناسک، باب فی الرمل، صحیح)

ابو طفیل کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے کہا: ''آپ کی قوم سمجھتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا اور یہ سنت ہے۔'' انہوں نے کہا: ''لوگوں نے سچ کہا اور غلط بھی۔'' میں نے دریافت کیا: ''لوگوں نے کیا سچ کہا اور کیا غلط؟'' فرمایا: ''انہوں نے یہ سچ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمل کیا لیکن یہ غلط کہا کہ رمل سنت ہے۔''

اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ طواف کے دوران میں رمل کرنے کی حدیث تو ہے، مگر یہ سنت نہیں ہے۔ یعنی ہر سنت حدیث ہے، مگر ہر حدیث سنت نہیں۔

در حقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں جو جو واقعات پیش آئے وہ قلمبند کر لیے گئے انہی کو حدیث کہا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ واقعات کس صورتحال میں پیش آئے ہر چیز کو قلمبند کر لیا گیا۔ واقعات کے اس ذخیرے میں سے امت کے لیے جو راہ عمل متعین کی جائے گی اس کو سنت کہا جاتا ہے۔

حدیث میں ان کے علاوہ بھی مضامین شامل ہیں جن کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً: قریش کے دور جاہلیت کے اعمال و تصورات کا بیان، پچھلی امتوں کے حالات، مستقبل کی عمومی پیشین گوئیاں، نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد آپ ﷺ کی سوانح حیات کی روایات وغیرہ۔ اسی بات کو اجاگر کرنے کے لیے امام بخاری نے اپنے مجموعہ حدیث کا نام، جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ رکھا۔ سننہ وایامہ کا مطلب ہے آپ ﷺ کی سنتیں اور آپ ﷺ سے متعلق تاریخی پہلو۔

امت سنت پر عمل کرے گی

سنن ترمذی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک بلیغ خطبہ دیا جس کے انداز سے جاننے والے سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کا وقت قریب ہے، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے وصیت کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاں اور وصیتیں فرمائیں وہیں یہ بھی فرمایا:

حدیث 35

وسترون من بعدي اختلافا شديدا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ

(سنن ابن ماجہ، صحیح)

ترجمہ: تم لوگ میرے بعد بہت شدید اختلافات دیکھو گے پس تم لوگوں پر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اور خلفائے راشدین و مہدیین (ہدایت یافتہ) کی سنت کو لازم پکڑنا اور ان کو اپنے اپنی داڑھوں سے پکڑ لینا (یعنی مضبوطی سے تھام لینا)

یعنی امت کو سنت پر عمل کا پابند کیا گیا ہے۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے۔

حدیث 36

اصوم وافطر واصلي وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني (صحیح البخاری، باب الترغیب في ا لنكاح)

ترجمہ: میں روزے رکھتا اور چھوڑتا بھی ہوں، تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیے ہیں، جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ سنت اس لیے ہے کہ امت کے لیے نمونہ ہو اور وہ اسے سند سمجھیں، جو آپ ﷺ کے طریقے سے منہ پھیرے اور اسے اپنے لیے سند نہ سمجھے وہ آپ کی جماعت میں سے نہیں ہے۔

حدیث 37

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال بن حارث ؓ کو فرمایا:

من احيا سنة من سنتي قد اميتت بعدي فان له من الاجر مثل من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا ترضي الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزار الناس شيئا

(ترمذی، باب ما جاء في الاخذ بالسنة واجتناب البدع، حسن)

ترجمہ: جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد چھوڑ دی گئی ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے کوئی غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی موجود نہیں تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کمی آئے۔

جس طرح حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے طریقہ کو سنت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے اسی طرح لفظ سنت دوسرے صحابہ کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ پھر صحابہ کرام ؓ بھی اکابر صحابہ کے عمل و فیصلے پر سنت کا لفظ بولتے تھے۔

حدیث 38

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا(حاشیہ:13):

ان معاذاقد سن لکم سنۃ کذلک فافعلوا(ابوداؤد، باب کیف الاذان، صحیح)

ترجمہ: بے شک معاذؓ نے تمہارے لیے ایک سنت قائم کر دی ہے، اسی طرح تم اس پر عمل کرو۔

یہی بات حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے متعلق بھی آتی ہے۔

یعنی سنت دین کا وہ پسندیدہ معمول و مروج طریق ہے جو خواہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو یا آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہو۔

حدیث کی مختلف اقسام کی مثالیں

قولی حدیث کی مثال

بخاری کی پہلی حدیث ہے:

انماالاعمال بالنیۃ

عمل نیت کے موافق ہوتا ہے

فعلی حدیث کی مثال

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھنا سکھایا اور پھر سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

صلوا کمارایتمونی اصلی(صحیح البخاری، کتاب الادب)

جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو

آپ ﷺ نے نماز پڑھ کر دکھائی ہے، یہ فعلی حدیث ہے۔

تقریر نبوی کی مثال

تقریر نبوی یعنی وہ امور جن کو آپ ﷺ نے برقرار رکھا۔ مثلاً جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو مدینہ میں بیع سلم کا رواج تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بیع آئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کو اس بیع سے منع نہیں کیا، بلکہ فرمایا:

فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم(صحیح البخاری، کتاب السلم فی وزن معلوم)

مقررہ وزن اور مقررہ مدت تک کے لیے(بیع سلم)ہونی چاہئے

رسول اللہ ﷺ نے بعض شرائط تو بڑھائیں، مگر سلم سے منع نہیں فرمایا۔ یہ تقریری حدیث ہے۔

13: پہلے نماز میں آپس میں باتیں کر سکتے تھے (دیکھیے حدیث 40)۔ پہلے طریقہ یہ تھا کہ مسبوق (دیر سے نماز میں شامل ہونے والا) آکر نمازی سے پوچھتا کہ کتنی رکعتیں ہو گئیں؟ وہ بتادیتا۔ چنانچہ مسبوق تکبیر تحریمہ کہہ کر چھٹی ہوئی رکعتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوتا۔ ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ دیر سے آئے، ان کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ رسول اللہ ﷺ الگ نماز پڑھ رہے ہوں اور وہ اپنی چھٹی ہوئی نماز پڑھیں۔ چنانچہ وہ نیت باندھ کر نماز میں شامل ہو گئے، جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو وہ اپنی باقی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔ چنانچہ اس دن سے مسبوق کی نماز کا طریقہ بدل گیا۔

اوصاف نبوی کی مثال

رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حالات اوصاف کہلاتے ہیں، مثلا: آپ ﷺ کے بالوں کا بیان کہ نہ بالکل سیدھے تھے، نہ بالکل گھونگھریالے، درمیانی کیفیت لیے ہوئے تھے۔ یا آپ ﷺ کے دندان مبارک کا بیان کہ سامنے کے اوپر کے دانتوں میں ذرا کشادگی تھی۔ یہ سب حدیثیں ہیں۔

سنت کے معنی

سنت کا لفظ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے، احادیث میں بھی آیا ہے اور فقہ میں بھی، اور تینوں جگہ اس کے معنی الگ الگ ہیں۔

سنت کے معنی قرآن کریم میں

قرآن پاک میں ہے:

ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (الاحزاب 62)

تم اللہ تعالی کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے

اللہ تعالی نے کائنات کی چیزوں میں کچھ صلاحیتیں رکھی ہیں، اور ان صلاحیتوں سے جو نتائج وجود میں آتے ہیں اس کا نام قرآن میں سنت اللہ (اللہ کی سنت) ہے۔ جیسے آگ میں جلانے کی صلاحیت ہے تو وہ ہمیشہ جلائے گی، اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ البتہ کبھی معجزے کے طور پر اللہ تعالی اس صلاحیت کے خلاف بھی کر دیتے ہیں جیسے ابراہیمؑ کو آگ نے جلایا نہیں بلکہ آگ کو انؑ کے لیے سلامتی کا ذریعہ بنا دیا۔

سنت کے معنی حدیث میں

حدیث میں ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (مشکوۃ المصابیح، حسن)

میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے (وہ دو چیزیں) اللہ تعالی کی کتاب اور میری سنت (طریقہ) ہے

سنت کے معنی فقہ میں

فقہ میں سنت، احکام کا ایک درجہ ہے جو اس پسندیدہ عمل پر بولا جاتا ہے جو فرض یا واجب نہیں ہے۔

پیچھے ذکر کیا گیا کہ حدیث اور سنت بعض اعتبار سے ایک ہیں اور بعض اعتبار سے مختلف۔ ذیل میں اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

وہ روایات جو صرف حدیث ہیں سنت نہیں

تین قسم کی روایتیں صرف حدیث ہیں، سنت نہیں۔

iv) پہلی قسم وہ حدیثیں ہیں جو منسوخ ہیں۔

v) دوسری قسم وہ حدیثیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

vi) تیسری قسم وہ حدیثیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے، کسی مصلحت سے یا کوئی مسئلہ سمجھانے کے لیے کوئی ارشاد فرمایا ہے یا کوئی عمل کیا ہے۔

ذیل میں ہر ایک کی وضاحت اور مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی قسم

وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں، وہ سنت نہیں ہیں، مسلمانوں کو ان پر نہیں چلنا، بعد میں جو ناسخ احادیث آئی ہیں مسلمانوں کو ان پر چلنا ہے۔

پہلی مثال: حدیث شریف میں آتا ہے:

عن زید بن ثابت قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الوضوء مما مست النار (صحیح مسلم، کتاب الحیض،)

ترجمہ: زید بن ثابت بتاتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس چیز کو آگ چھولے (یعنی آگ پر پکائی جائے) (اس کے بعد) وضو کرنا ہے

یہ صحیح حدیث ہے، مگر بعد میں یہ حکم نہیں رہا، بعد میں رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدینؓ اور سب صحابہؓ آگ پر پکی ہوئی چیز کھاتے تھے، اور وضو کیے بغیر نماز پڑھتے تھے، اس لیے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کی روایات حدیث تو ہیں لیکن سنت نہیں اس لیے کہ ایک اور روایت میں آتا ہے:

حدیث 39

عن جابر قال کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما مست النار

(سنن ابوداود، کتاب الطھارۃ،، صحیح)

ترجمہ: جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری فعل یہی تھا کہ آپ ﷺ آگ کی پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں کرتے تھے

دوسری مثال: حدیث شریف میں آتا ہے:

حدیث 40

عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلاۃ یکلم الرجل مناصاحبہ الی جنبہ حتی نزلت وقوموا للہ قانتین فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام

(سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی نسخ الکلام فی الصلاۃ، صحیح)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں اپنے ساتھ والے سے بات کر لیتے تھے یہاں تک کہ (آیت) نازل ہوئی کہ اللہ کے سامنے فرمانبرداری سے کھڑے رہو اور ہمیں نماز میں بات کرنے سے روک دیا گیا

یعنی پہلے نماز میں آپس میں باتیں کرتے تھے لیکن بعد میں اس کو منع کر دیا گیا۔ اس دور کی حدیثیں کہ نمازی نماز میں باتیں کرتے تھے، حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں مگر یہ حدیثیں منسوخ ہو گئی ہیں، وہ سنت نہیں ہیں۔ سنت وہ حکم ہے جو بعد میں آیا ہے، اسی پر مسلمانوں کو چلنا ہے۔

دوسری قسم

وہ حدیثیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہیں، وہ اگرچہ حدیثیں ہیں، مگر سنت نہیں۔ مثال کے طور پر:

صحیح بخاری میں عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تہجد کی نماز ادا کی جس کے بعد رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ روایت کے الفاظ ہیں:

فصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ ثم نام حتی نفخ وکان اذا نام نفخ ثم اتاہ المؤذن فخرج فصلی ولم یتوضا

ترجمہ: پھر تیرہ رکعت (نماز) پڑھی اور سو گئے، یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے اور رسول اللہ کریم ﷺ جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، پھر مؤذن آیا تو آپ ﷺ باہر تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اس کے بعد (فجر کی) نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ کا سو جانا اور بیدار ہو کر وضو نہ کرنا اس فعل کی حدیث تو ہے لیکن یہ سنت نہیں۔ امت کے لیے سنت یہی ہے کہ سو جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے نکاح کے باب میں چار کی قید نہیں تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں جمع ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل حدیث تو ہوئی، مگر سنت نہیں، امت کو جس راستہ پر چلنا ہے وہ یہ ہے کہ چار ہی بیویاں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔ امت کا اجماع ہے کہ امت کے لیے چار سے زیادہ بیویاں جمع کرنا جائز نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فعل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

سورۃ احزاب میں ایک لمبی آیت ہے:

یاایہاالرسول اللہ انا احللنا لک ازواجک

اس میں آگے ہے:

خالصۃ لک من دون المؤمنین

ترجمہ: یہ حکم خاص آپ ﷺ کے لیے ہے، مؤمنین کے لیے نہیں ہے۔

امت کے لیے بیویوں کے بارے میں یہ حکم ہے:

فانکحوا ماطاب لکم من النسائ مثنٰی وثلث ورباع (النساء)

ترجمہ: پس نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے

تو یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہوا۔

تیسری قسم

رسول اللہ ﷺ نے کسی مصلحت سے کوئی بات فرمائی یا کوئی عمل کیا تو وہ حدیث ہے مگر سنت نہیں۔

پہلی مثال

عن عبد اللہ المزنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوا قبل صلاۃ المغرب قال فی الثالثۃ لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ (صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب الصلاۃ قبل المغرب)

ترجمہ: عبد اللہ بن مغفل مزنیؓ نے بیان کیا ان سے رسول اللہ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مغرب (کے فرض) سے پہلے (نفل) نماز پڑھو (یہ بات دو مرتبہ فرمائی)، پھر تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ جس کا جی چاہے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس نماز کو سنت بنا لیں

آپ ﷺ کا یہ ارشاد یہ مسئلہ سمجھانے کے لیے ہے کہ عصر کے فرض پڑھنے کے بعد جو نفلوں کی ممانعت ہے وہ سورج ڈوبنے تک ہے، سورج چھپتے ہی کراہیت ختم ہو جاتی ہے، اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے کبھی نفلیں نہیں پڑھیں اس لیے یہ سنت نہیں۔

دوسری مثال

صحیح بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ ایک قوم کی کوڑی پر کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ روایت یوں ہے:
عن حذیفة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتھی الی سباطة قوم فبال قائما (صحیح بخاری، کتاب الوضوء)
ترجمہ: حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ پاک ﷺ کسی قوم کی کوڑی پر تشریف لائے (پس) آپ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

یہ حدیث ہے، مگر سنت نہیں، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر پیشاب فرماتے تھے، اور وہی سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا بیان جواز کے لیے تھا اس لیے کہ کبھی انسان کو ایسی مجبوری پیش آتی ہیں کہ بیٹھ نہیں سکتا، مثلاً کوڑی ہے، گندگی کی جگہ ہے، ایسی مجبوری میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

من حدثکم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدا

(سنن الترمذی، کتاب الطھارة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حسن)

ترجمہ: اگر تم سے کوئی بیان کرے کہ آپ ﷺ کی عادت کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی تھی تو ہرگز اس کی بات نہ ماننا، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب فرمایا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف کسی واقعہ کا حدیث میں آجانا اس کو سنت کا درجہ نہیں دے دیتا۔ اس کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً: قبلہ رخ ہو کر رفع حاجت کرنا حدیث میں آتا ہے لیکن یہ سنت نہیں۔ بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا حدیث سے ثابت لیکن یہ سنت نہیں۔ یا مثلاً رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ جوتا پہن کر نماز پڑھتے تھے۔

کان یصلی فی نعلیہ (صحیح البخاری)

جب کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بغیر جوتوں کے نماز پڑھتے تھے۔ لیکن امت کا عملی تواتر پہلی حدیث کے بجائے دوسری حدیث پر ہے۔ ساری امت کا اتفاق ہے کہ جوتے پہن کر نماز پڑھنا آپ ﷺ کا نادر عمل تھا۔

کچھ چیزیں سنت ہیں مگر حدیث نہیں

اوپر حدیث 1 میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کی سنت کو بھی مضبوطی سے تھامنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس لیے خلفائے راشدینؓ نے جو طریقے رائج کیے ہیں وہ اگرچہ حدیث نہیں ہیں، مگر مذکورہ حدیث کے مطابق سنت ہیں، اور حجت ہیں۔ مثلاً:

- حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپؓ کی سنت ہے۔
- حضرت عمرؓ کا نماز تراویح پر امت کو جمع کرنا آپؓ کی سنت ہے۔

وہ روایتیں جو حدیثیں بھی ہیں اور سنت بھی

وہ سب روایتیں ہیں جن پر امت نے ہمیشہ عمل کیا ہے، وہ حدیث بھی ہیں اور سنت بھی، اور ایسی روایتیں بے شمار ہیں۔ مثلاً وضو میں کلی کرنا، جوتے اتار کر نماز پڑھنا وغیرہ۔

اس تمام تفصیل سے جو اوپر پیش کی گئی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث اور سنت ایک نہیں، دونوں میں فرق ہے۔ یہ نہ بالکل ایک ہیں نہ بالکل جدا جدا بلکہ اس میں تفصیل ہے جو اوپر بیان کی گئی۔